اقبال اور عبدالحق

(مکتوباتِ اقبال کی روشنی میں)

مُرتّبہ

ڈاکٹر مُمتاز حسن

○

مجلسِ ترقّیِ ادب

کلب روڈ، لاہور

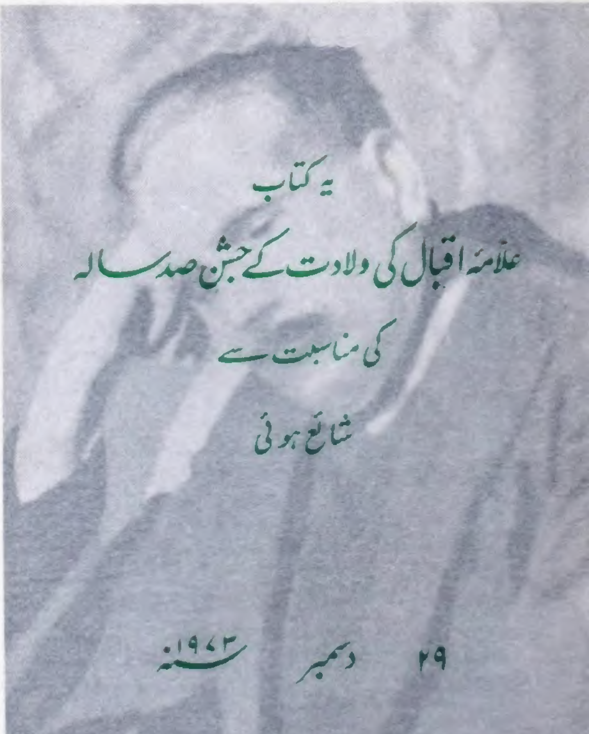

یہ کتاب

علامہ اقبال کی ولادت کے جشن صد سالہ

کی مناسبت سے

شائع ہوئی

۲۹ دسمبر ۱۹۷۳ء

اقبال اور عبدالحق

(مکتوباتِ اقبال کی روشنی میں)

مُرتّبہ

ڈاکٹر مُمتاز حسن

○

مجلسِ ترقّیٔ ادب

کلب روڈ، لاہور

اقبال اور عبدالحق

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : دسمبر ۱۹۷۳ع

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خاں
ناظمِ مجلسِ ترقیٔ ادب ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

مطبع : : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ، لاہور

قیمت : آٹھ روپے

آستادِ مرحوم

سید محمد مرتضیٰ ادیب رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

م - ح

فہرست

پیش لفظ : از مرتّب - - - - - - - - ۱

مقدمہ : از مرتّب - - - - - - - - ۹

عکس مکتوباتِ اقبال - - - - - - - - ۳۱

مکتوباتِ اقبال بنام بابائے اُردو - - - - - - ۴۳

حواشی بر مکتوبات - - - - - - - - ۵۴

ضمیمے - - - - - - - - - - ۷۱

۱- علامہ اقبال کی اپنی اور علامہ پر لکھی جانے والی

کتب پر تبصرے : از مولوی عبدالحق - - - ۷۳

تبصرہ بر بانگِ درا - - - - - - - ۷۳

تبصرہ بر ''اقبال'' از احمد دین - - - - ۹۶

تبصرہ بر ''کلیاتِ اقبال'' - - - - - - ۹۹

۲- تقریر مولوی عبدالحق (یومِ اقبال ۱۹۵۰) - - - - ۱۰۲

۳- ,, ,, ,, ,, ۱۹۵۳ - - - - ۱۰۷

۴- تصانیفِ مولوی عبدالحق - - - - - - ۱۱۱

۵- سہ ماہی ''اُردو'' میں اقبال کے بارے میں شائع شدہ

مضامین کی فہرست - - - - - - - ۱۱۴

۶- سہ ماہی ''اردو'' میں اقبال کی اور اقبال سے متعلق
تصانیف پر شائع شدہ تبصروں کی فہرست - - - ۱۱۷
۷- روداد آل انڈیا اردو کانفرنس ۱۹۳۶ - - - - - ۱۱۹
۸- عکس مکتوب قائد اعظم - - - - - - ۱۳۶
۹- نامہ سر تیج بہادر سپرو بنام مولوی عبدالحق - - ۱۳۷
کتابیات - - - - - - - - - ۱۴۱
اشاریہ - - - - - - - - - ۱۴۵

پیش لفظ

مولوی عبدالحق کو دیکھنے ، سننے یا پڑھنے سے پہلے میں نے آن کی تصویر دیکھی ۔ سیاہ فام چہرہ ، سفید براق داڑھی ، ترکی ٹوپی اور چست اچکن ۔ اس پر گٹھے ہوئے جسم ، بشرے سے ٹپکتی ہوئی قوّتِ ارادی اور اس کے ساتھ ایک ہلکی سی خشونت کا اضافہ کیجیے تو یوں سمجھیے کہ مولوی صاحب کی شخصیت کا جغرافیہ تقریباً مکمل ہو گیا ۔

بہرحال یہ تو تھا عکسی تعارف ۔ رہا یہ کہ مولوی صاحب کون تھے ؟ اس وقت ہمیں اتنا ہی معلوم تھا کہ حیدر آباد دکن میں رہتے ہیں اور آردو زبان کی ترقی کے لیے کام کرتے ہیں ۔ ان کا نام نہ تو شاعروں میں سنا ، نہ نثرنویسوں میں ، نہ ناولسٹوں میں ، نہ افسانہ نگاروں میں ۔ نہ ان کی تنقیدیں سامنے آئیں ، نہ ان کی ''مقدمے بازی'' کا پتا چلا ۔ البتہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا نہ صرف آردو زبان سے ان کی دل بستگی واضح ہوتی گئی بلکہ ان کے علمی اور ادبی کارنامے بھی مشہور ہونے شروع ہوئے ۔ اب سوچتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ مولوی صاحب نے اپنے سارے کمالات پر انجمن ترقی آردو کے کاروبار کا پردہ ڈال رکھا تھا اور وہ اپنی ساری صلاحیتوں سمیت انجمن کی سکریٹری شپ میں گم ہو گئے تھے ۔

عکسی زیارت کے بعد مولوی صاحب کی شخصی زیارت ہوئی ۔ یہ غالباً لاہور کا واقعہ ہے ۔ ''غالباً'' اس لیے کہ مولوی صاحب کی تصویر بجائے خود ان کی شخصیت کی ایسی صحیح نمائندگی کرتی تھی

کہ اکثر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ ہم نے خود مولوی صاحب کو دیکھا ہے یا ان کی تصویر دیکھی ہے ۔ بہرحال مجھے لاہور کا ایک جلسہ یاد ہے جس میں مولوی صاحب تشریف لائے تھے ۔ یہ اقبال سے متعلق تھا ۔ مولوی صاحب نے اقبال کی شخصیّت اور شاعری پر تقریر فرمائی ۔ ابتدا کا ایک فقرہ کچھ چونکا دینے والا تھا ۔ کہنے لگے کہ ''جب ہم یہ سنتے ہیں کہ اقبال ایک بڑا آدمی ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی تولد بڑی ہے ؟'' رفتہ رفتہ اصل مضمون پر آئے اور اقبال کی اُردو زبان کی خدمات کا ذکر گرم جوشی سے کیا ۔

مولوی صاحب کی زیارت لاہور میں ہوئی تو ملاقات دہلی میں ، جہاں میں تقسیم سے پہلے حکومتِ ہند کے محکمۂ مالیات میں تعیّنات تھا ۔ دہلی میں مجھے ان کی پہلودار شخصیّت کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور ان کے علمی ، ادبی ، لسانیاتی اور تنقیدی کارناموں سے آگاہی ہوئی ۔ تقسیم سے کچھ پہلے حیدر آباد دکن کی حکومت نے ، جس کے مدارالمہام اُس وقت سر مرزا اسماعیل تھے ، انجمن کی مالی امداد بند کر دی جو چالیس ہزار روپے سالانہ تھی ۔ کہا گیا کہ یہ اقدام اِس بنا پر کیا گیا ہے کہ انجمن نے حسبِ قاعدہ اپنے حسابات حکومتِ حیدر آباد کو پیش نہیں کیے ۔ مولوی صاحب نے اسے سر مرزا اسماعیل کی اُردو دشمنی پر محمول کیا[1] ۔ یہ ۱۹۴۷ع کا ذکر ہے ، جب ہندوستان کی عبوری حکومت برسرِاقتدار تھی اور لیاقت علی خاں وائسرائے کی کونسل کے فنانس ممبر یا وزیرِ مالیات

۱۔ خطباتِ عبدالحق ، اشاعتِ ثانی ، کراچی ، ۱۹۶۴ع ، ص ۲۹۰ اور ص ۵۲۲ ۔

تھے - میں ان کا پرائیویٹ سکریٹری تھا ۔ میری تحریک پر لیاقت علی خاں نے یہ فیصلہ کیا کہ سالانہ امداد کی جو رقم حیدرآباد نے بند کی تھی وہ حکومتِ ہند کی طرف سے جاری کر دی جائے ۔ اس کے علاوہ دو لاکھ یا اس کے لگ بھگ کی رقم انجمن کی عمارت کی تعمیر کے لیے بھی منظور کی گئی ، اور عمارت کے لیے ہارڈنگ روڈ اور سکندرہ روڈ کے درمیان ایک نہایت عمدہ اور قیمتی قطعۂ زمین مخصوص کیا گیا ، جس کا انتخاب غالباً پہلے سے ہو چکا تھا ۔ افسوس ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ، جو اُس وقت عبوری حکومت کے وزیرِ تعلیم بن چکے تھے ، اِس فیصلے کو روک دیا ۔ اور جب تک ہم لوگ پاکستان نہیں چلے آئے اور مولوی عبدالحق بھی بے بسی کے عالم میں دہلی چھوڑ کر کراچی نہیں آ گئے ، اس کا اجرا نہیں ہونے دیا ۔

پاکستان میں ترقی اُردو بورڈ قائم ہوا اور اُردو لغت کی تدوین اس کے سپرد ہوئی تو عترت زبیری مرحوم نے جو اُس وقت حکومتِ پاکستان کے مشیرِ تعلیم تھے ، اور میں نے ، متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ مولوی صاحب کو اس لغت کا ، جو آکسفورڈ ڈکشنری کے نہج پر تیار ہو رہی ہے ، مدیرِ اعلیٰ بنایا جائے ۔ چناں چہ ہم دونوں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی منظوری سے انھیں اپنے ساتھ لا کر کرسیٔ صدارت پر بٹھا دیا ۔ اس یادگار موقعے پر مولوی صاحب کا ایک ہاتھ عترت حسین نے تھاما ، دوسرا میں نے ۔ یہ مولوی صاحب کی عزت افزائی نہیں تھی ، بلکہ ہم نے اور حکومتِ پاکستان نے خود اپنی عزت افزائی کی ۔

تین سال تک میرا اور مولوی صاحب کا بورڈ میں ساتھ رہا ۔

اس سے پہلے بھی میں انجمن کی مجلسِ نظما میں شامل تھا ۔ اور اُس تاریخی جلسے میں بھی موجود تھا جہاں مولوی صاحب کو انجمن کا صدر بنایا گیا ۔ یہ جلسہ ہنگامے سے خالی نہیں تھا ۔ سب سے پہلے ایک وزیرِ باتدبیر کا نام انجمن کی صدارت کے لیے تجویز کیا گیا ۔ اس کی مخالفت میں ایک اور وزیرِ بلند اقبال کا نام تجویز ہوا ۔ معاملے نے بحث سے بڑھ کر تلخی کی صورت اختیار کی تو کچھ لوگوں نے ، جن میں سے ایک میں بھی تھا ، یہ متبادل تجویز پیش کی کہ مولوی صاحب کی خدمات کے پیش نظر اس منصب کے لیے ان سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہے ۔ چنانچہ وہ دونوں وزرائے کرام اکھاڑے سے باہر کر دیے گئے اور فیصلہ مولوی صاحب کے حق میں ہوگیا ۔ اس سے وہ دونوں حضرات ناراض ہوئے اور ایک نے تو مجھ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے میں کوتاہی نہیں فرمائی ۔ خدا کا شکر ہے کہ جلسے میں ان نبرد آزماؤں میں سے کوئی موجود نہیں تھا ۔ بہرحال جو ہوا سو ہوا ۔

مولوی صاحب نے اپنی زندگی کے آخری دَور میں جب انجمن کو ٹرسٹ کی صورت دینی چاہی تو مجھے متولّی بننے کی دعوت دی ، جسے میں نے بخوشی قبول کیا ۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب ہی کے ایما پر میں سہ ماہی ''اُردو'' اور سہ ماہی ''تاریخ و سیاسیات'' کی مجلسِ ادارت میں بھی شریک ہوا ۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا ۔ ایک دفعہ مولوی صاحب مجھ سے ملنے تشریف لائے ۔ میں اس زمانے میں نمبر ۲۵۶ انگل روڈ ، میں رہتا تھا ، جہاں آج کل گوئٹے انسٹی ٹیوٹ واقع ہے ۔ اردو اور انجمن ترقی اردو کے متعلق باتیں ہوئیں ۔ مولوی صاحب جانے لگے تو میں انہیں گیٹ تک

پہنچانے آیا ۔ خدا حافظ کہہ کر تشریف لے ہی جا رہے تھے کہ یک لخت ٹھٹکے اور میرے نام کے بورڈ کو دیکھ کر کہا : ''رسالۂ اُردو کا ایڈیٹر اور اس کے نام کا بورڈ انگریزی میں ! یہ کہاں تک درست ہے ؟'' میں نے معذرت کی ، وہ مسکرائے اور چل دیے ۔ یہ ایک معمولی سی بات ہے مگر اس سے مولوی صاحب کی اُردو پرستی کا پتا چلتا ہے ۔ انھیں یہ کسی صورت میں گوارا نہیں تھا کہ کوئی شخص ان کی اُردو کو پس پشت ڈال کر انگریزی یا کسی اور زبان کو آگے بڑھائے ۔ جب ہم لوگوں نے سکریٹریٹ میں اپنے ناموں کے بورڈ اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھوائے تو اس میں مولوی صاحب کے اثر کو بھی اتنا ہی دخل تھا جتنا ہماری اپنی خواہش کو ۔ پاکستان کے بجٹ پر فنانس سیکریٹری کی سالانہ ریڈیائی تقریریں اُردو میں سن کر اور فنانس منسٹری اور اسٹیٹ بنک میں نوٹوں پر ہم لوگوں کے اردو میں دستخط دیکھ کر مولوی صاحب ضرور خوش ہوئے ہوں گے ۔

میں نے مولوی صاحب کو جتنا قریب سے دیکھا ، انھیں ایک باوضع ، بااصول ، صاحبِ عزم اور صاحبِ عمل انسان پایا ۔ ان کی زندگی بادی النظر میں ایک تنگنائے سی معلوم ہوتی تھی مگر اس کا ایک لمحہ بھی بے مقصد نہیں تھا ۔ اس گھنے جنگل میں جس کا نام حیاتِ انسانی ہے ، انھوں نے اپنا راستہ خود کاٹ کر بنایا تھا ۔ انھیں اپنی منزل صاف دکھائی دے رہی تھی اور ان کا ہر قدم اسی کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ ان کی منزل ترقیٔ اُردو تھی اور انھوں نے اپنی ساری صلاحیتیں ، ساری اُمنگیں اور ساری کوششیں ایک مجنوں کی طرح

اس لیلیٰ پر قربان کر دی تھیں ۔ انھیں یہ کہنے کا حق تھا کہ :

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یاری کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کاری کردم

اقبال کے متعلق مجھے اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں پہلے پہل ان سے ۱۹۲۶ع میں ملا ۔ یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا ۔ بارہ سال ان کے قدموں میں بیٹھا ۔ اور اپنے آپ کو ان بے شمار انسانوں میں سے شمار کرتا ہوں جن کے دل و دماغ کو اقبال نے متاثر کیا ۔

اس پس منظر میں جب جناب پروفیسر حمید احمد خاں صاحب کا ارشاد ہوا کہ میں اقبال کے ان خطوط کو جو مولوی عبدالحق کے نام لکھے گئے ، ایڈٹ کروں تو میں نے فوراً اس دعوت کو قبول کیا ۔ افسوس ہے کہ اقبال کے آٹھ سے زیادہ خط دستیاب نہیں ہو سکے جن میں غیرمطبوعہ ایک بھی نہیں ۔ سات تو وہی ہیں جو شیخ عطاء اللہ مرحوم نے ''اقبال نامہ'' میں شائع کیے ہیں ۔[1] اور آٹھواں خط جو سید نذیر نیازی کے کیے ہوئے سارٹن کے ترجمے سے متعلق ہے ، ''انوارِ اقبال'' میں چھپ چکا ہے ۔[2] اس سے بھی زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ مکاتیب یک طرفہ اور نامکمل ہیں ، کیونکہ مولوی صاحب کے خطوط کا کہیں پتا نہیں چلتا ۔ ان حالات میں اقبال کے ان آٹھ مکاتیب کا ایڈٹ کرنا ایک ابتدائی اور ناتمام کوشش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ۔ البتہ اس سلسلے میں جو کچھ مل سکا

۱- شیخ عطاء اللہ (مرتّب) : ''اقبال نامہ'' ، حصہ دوم ، ص ۸۲ - ۸۷ -
۲- ڈار ، بشیر احمد : ''انوارِ اقبال'' ، کراچی ، ۱۹۶۸ع ، ص ۲۲۳ -

وہ جمع کر دیا گیا ہے تا کہ وہ کم یاب حوالے اور تحریریں جو اس موضوع سے متعلق ہیں اور ادھر اُدھر بکھری پڑی ہیں ، یک جا محفوظ ہو جائیں ۔ ممکن ہے آگے چل کر کچھ اور معلومات بھی دستیاب ہو سکیں اور اقبال اور مولوی عبدالحق کے باہمی تعلّقات اور اشتراکِ عمل پر مزید روشنی پڑ سکے ۔

اس کتاب میں اولاً ایک مقدّمہ ہے جس میں مولوی عبدالحق اور اقبال کے باہمی روابط پر ایک نظر ڈالی گئی ہے ۔ اس کے بعد اقبال کے خطوط ہیں ۔ اصل خطوط جو نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ ہیں ، ان کے عکس بھی شامل کر دیے گئے ہیں ۔ یہ تمام خطوط اقبال کے قلم سے نہیں ہیں ؛ بلکہ بیشتر دوسروں سے املا کرائے گئے ہیں ۔ ان میں دو خط خود اقبال کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور چار سید نذیر نیازی کے رقم کردہ ہیں ۔ باقی دو خطوں کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا کہ انھیں کس نے املا کیا تھا ۔ ان تمام خطوں پر دستخط اقبال ہی کے ہیں ، اگرچہ ان میں تھوڑا بہت فرق دکھائی دیتا ہے ۔ جس زمانے میں یہ خطوط لکھے گئے ، اقبال بیمار رہتے تھے ۔ اس لیے وہ عموماً اپنے پاس آنے جانے والوں کو خطوط املا کرا دیتے تھے ۔ دستخطوں کے فرق کی وجہ بھی اقبال کی بیماری ہی معلوم ہوتی ہے ۔ خطوط کی نقول جو اس کتابچے میں دی گئی ہیں ، اصل کے مطابق ہیں ۔ البتہ میں نے ان کا مقابلہ مطبوعہ متون سے بھی کر لیا ہے ، اور جہاں جہاں اختلاف نظر آئے ہیں ، ان کی نشاندہی حواشی میں کر دی ہے ۔ حواشی سے معلوم ہوگا کہ ان خطوں کی سابقہ اشاعتوں میں بعض عبارتیں حذف ہو گئی تھیں اور بعض اصل کے مطابق نہیں تھیں ۔ حواشی میں خطوطِ اقبال کے

تمام وضاحت طلب مقامات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد ضمیمے بھی اس کتابچے میں شامل کیے گئے ہیں، جن کا تعلق مقدمے یا حواشی سے ہے۔

اس کام میں جو مدد مجھے اپنے نوجوان اور محقّق دوست مشفق خواجہ سے ملی، میں اس کا کماحقہ شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ اگر ان کی مشفقانہ توجہ اور اعانت شاملِ حال نہ ہوتی تو اس مقالے یا کتابچے کی تدوین و تالیف میرے لیے ناممکن ہوتی۔ مولوی عبدالحق کے متعلق مشفق خواجہ سے زیادہ کسی کے پاس معلومات نہیں ہیں اور اسے میری خوش بختی کہیے کہ انھوں نے اپنے مصروف اوقات کا ایک حصہ میرے لیے نکالا۔

کراچی، ۶ اکتوبر ۱۹۷۳ع　　　　　　ممتاز حسن

مقدمہ

اقبال اور مولوی عبدالحق دو مختلف اور ایک حد تک متضاد شخصیتوں کے مالک تھے ۔ دونوں کا دائرۂ فکر و عمل الگ الگ تھا ۔ قدرِ مشترک اگر کوئی تھی تو محض اُردو زبان ۔ مولوی صاحب اقبال کی عظمت کے اس لیے قائل تھے کہ خود ان کے اپنے الفاظ میں : ''اقبال کے کلام نے اُردو زبان کا مرتبہ بڑھایا اور یہ ثابت کر دیا کہ اس میں کتنی وسعت و قوت اور صلاحیت ہے ۔''[1]
کراچی میں انجمن کے دفتر کے صدر دروازے پر جلی الفاظ میں اقبال کا مشہور مصرع لکھا ہوا ہے :

''گیسوے اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے''

یہ مصرع مولوی صاحب ہی نے لکھوایا تھا ۔

اُدھر اقبال کا کہنا تھا کہ ''اگرچہ (میں) اُردو زبان کی بحیثیتِ زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا ، تاہم میری لسانی

۱۔ "اُردو" ، اورنگ آباد : اپریل ۱۹۳۸ع ، اقبال کی وفات پر مولوی صاحب کا تعزیتی نوٹ ۔

یہی بات انھوں نے اپنے ایک خطبے میں بھی کہی ہے : ''آخر میں اقبال نے اپنی قوّتِ بیان ، پُرزور تخیّل اور افکارِ جدید سے اس (زبان) کا رتبہ اور بلند کر دیا ۔'' (خطباتِ عبدالحق ، کراچی ، ۱۹۶۴ع ، اشاعتِ ثانی ، ص ۲۱۷) ۔

عصبیّت دینی عصبیّت سے کسی طرح کم نہیں ۔''[1] انھوں نے ایک خط میں مولوی صاحب کو یہ بھی لکھا کہ ''آپ کی تحریک اس تحریک سے کسی طرح کم نہیں جس کی ابتدا سرسید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی ۔''[2]

البتہ یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ اُردو کے متعلق اقبال اور مولوی عبدالحق کا نقطۂ نگاہ یکساں نہیں تھا ۔ اقبال یقیناً یہ چاہتے تھے کہ اُردو ساری دنیا میں پھیلے ۔[3] مگر ان کے نزدیک زبان خیالات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ تھی ۔ اس لیے جب انھیں اپنے افکار کے لیے ایک وسیع تر فضا کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے فارسی کی طرف توجہ کی ۔ ان کے خیال میں اصل اہمیت افکار اور نظریّات کے اظہار اور ابلاغ کو تھی ، نہ کہ ذریعۂ اظہار و ابلاغ کو ۔ خود ان کے ہاں جو لوگ آتے تھے ، ان پر زبان کے معاملے میں کسی قسم کی پابندی نہیں تھی ۔ ان کی مجلس میں پنجابی ، اُردو ، انگریزی سبھی زبانیں بولی جاتی تھیں ۔ اور اقبال اپنے ہر ملاقاتی سے اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے جس میں اسے سہولت ہو ۔ مولوی عبدالحق کا معاملہ دوسرا تھا ۔ وہ اُردو کو محض وسیلۂ اظہار نہیں سمجھتے تھے ، بلکہ اس کا وجود ، اس کی ترقی اور اس کا فروغ ان کے لیے مقصود بالذات کی حیثیت رکھتا تھا ۔ اقبال کا اُردو کی بجائے فارسی کی طرف مائل ہونا انھیں بالکل نہ بھایا ۔ ۱۹۲۴ع

۱۔ مکتوب بنام مولوی عبدالحق ، مورخہ ۲۷ ستمبر ، ۱۹۳۶ع ۔
۲۔ ایضاً ، مورخہ ۲۱ اکتوبر ، ۱۹۳۶ع ۔
۳۔ مولوی عبدالحق کی ریڈیائی تقریر ، ۲۱ اپریل ۱۹۵۲ع (ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی ۔ اپریل ۱۹۶۶ع ، ص ۷) ۔

میں ''بانگِ درا'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''تاہم اقبال کے پیام میں بلندی اور ایسا خلوص اور جوش ہے جو رائگاں نہیں جا سکتا ۔ وہ سوتوں کو جگانے ، غافلوں کو ہشیار کرنے اور دلوں کو ابھارنے میں بجلی کا سا کام کریں گے ۔ اس کا مقصد سیاست یا ملک گیری نہیں ، بلکہ وہ اخلاق اور روحانی پیام ہے جس کی بنیاد اسلامی تعلیم پر ہے اور جس کی غرض اسلامی اصول اور آئین کی اشاعت ہے ۔ جو اتحادِ ملّی کے ذریعے سے دنیا پر کارفرمائی کر سکتے ہیں ۔ لیکن ساتھ ہی انھیں اپنے ''ترانہٗ ہندی'' کو بالکل بھلا نہیں دینا چاہیے ۔ وہ خود فرماتے ہیں :

عجمی خُم ہے تو کیا ، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا ، لے تو حجازی ہے مری

مگر افسوس کہ ہندی نغمہ روز بروز دھیما پڑتا جاتا ہے اور ڈر ہے کہ کہیں صرف عجمی خُم اور حجازی بادہ ہی نہ رہ جائے ۔ اس خیال کی تصدیق مجھے اس شعر سے ہوئی جو بعد کا کہا ہوا ہے :

مرا ساز اگرچہ ستم رسیدۂ زخمہ ہائے عجم رہا
وہ شہیدِ ذوقِ وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

لیکن اگر ایسا ہوا تو غضب ہو جائے گا ۔ اس لیے ہم اس درخواست میں شیخ عبدالقادر کے ساتھ شریک ہیں کہ 'وہ اپنے دل و دماغ سے اردو کو وہ حصّہ دیں جس کی وہ مستحق ہے ۔' خود انھوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اردو کی حالت

کا صحیح نقشہ کھینچا ہے :

کیسوے اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیٔ دلِ سوزیٔ پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوایا تھا ، اس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے گیسوے اُردو سنوارنے کی طرف متوجہ ہوں ۔ یہی نہیں کہ اُردو ان کے خیالات سے محروم رہ جائے گی ، بلکہ ان کا پیام ، جسے وہ اپنی زندگی کا مقصد خیال کرتے ہیں ، تشنہ اور اثر سے محروم رہ جائے گا ۔''[1]

اقبال بھی مولوی صاحب کے نقطۂ نگاہ سے بخوبی آگاہ تھے ۔ جب مولوی صاحب اُردو کے بارے میں ہندو فرقہ پرستوں کی تنگ نظری سے بیزار ہو کر مسلم لیگ سے تعاون پر آمادہ ہوئے تو یہ سننے میں آیا کہ اقبال نے ایک نجی محفل میں ایک سوال کے جواب میں کہا :

''مولوی عبدالحق کو مسلمانوں کی سیاسی جد و جہد سے بذاتِ خود کوئی تعلق نہیں تھا ۔ مگر جب خود ان کے

۱۔ ''اُردو'' اورنگ آباد ، اکتوبر ۱۹۲۴ع ، ص ۷۲-۱۰۷ ۔ اسی طرح مولوی صاحب نے اپنے ۱۹۳۴ع والے خطبے میں جو انڈین اورینٹل کانفرنس میں دیا گیا تھا ، اقبال کے متعلق کہا : '' . . . جس نے حقیقت میں اُردو شاعری میں جان ڈال دی تھی اور جس نے اپنی قوّتِ کلام اور زورِ بیان سے زبان میں ایک نئی تازگی اور نیا جوش پیدا کر دیا تھا ، لیکن اس بدنصیبی کا کیا علاج کہ اقبال اُردو سے روٹھ گئے ہیں ۔'' (خطباتِ عبدالحق ، کراچی ، ۱۹۶۴ع ، ص ۳۱)

اپنے معبود (یعنی اُردو) پر زد پڑی تو وہ اس تحریک میں شامل ہونے پر مجبور ہوئے ۔''

اقبال کے الفاظ کچھ بھی ہوں ، بہرحال یہ حقیقت ہے کہ مولوی عبدالحق ایک عمر تک اُردو کو ہندو مسلم اتّحاد کا ذریعہ اور نشان سمجھتے رہے اور اسے اسی حیثیت سے متّحدہ ہندی قومیّت کے تصوّر کے ساتھ ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے ۔ وہ ہندی قومیّت اور ہندو مسلم اتّحاد کو اِس قدر عزیز رکھتے تھے کہ انھیں اقبال کی شاعری کا وطنیت کے تصور سے انحراف مطلقاً پسند نہ آیا ۔ ''بانگِ درا'' کے تبصرے میں ، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے ، فرماتے ہیں :

''لیکن اگر وہ ایک لحظے کے لیے ذرا مڑ کر دیکھیں تو ہم انھیں ان کا 'لیا شوالہ' دکھانا چاہتے ہیں جس کی قسمت میں تعمیر سے پہلے کھنڈر ہونا لکھا تھا ۔ گو اقبال اس وقت ایک اور شان دار تعمیر میں مصروف ہیں ، لیکن ایک روز انھیں ادھر آنا پڑے گا ، اور وہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہوگا ۔''[1]

مولوی صاحب کی نگاہ میں اقبال کی شاعری کا پہلا دَور قوم پرستی کا دور تھا ۔ دوسرا ملّی اور اسلامی تصوّرات کا دُور ۔ اور ان کا خیال تھا ، بلکہ خواہش تھی ، کہ اقبال دوبارہ قوم پرستی کی طرف واپس آئیں ، اور یہ ان کی شاعری کا تیسرا دَور ہو ۔ مگر بقول میاں بشیر احمد مرحوم :

''۱۹۳۶ع میں جب ناگپور میں بھارتیہ ساہتیہ پریشد کا

۱- ''اُردو'' ، اورنگ آباد ، اکتوبر ۱۹۲۴ع ، ص ۱۰۷-۱۲۴ -

اجلاس ہوا اور مولوی صاحب نے گاندھی جی کی ہندی
اتھوا ہندوستانی کے ڈھول کا پول کھولا اور اہلِ اُردو اور
ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو متنبّہ کیا کہ صورتِ حال
یوں ہے ، تو اور اخبارات و رسائل کی طرح میں نے مولوی
صاحب کی اپیل اپنے رسالے ''ہمایوں'' میں شائع کی ۔''[1]

اس کے بعد میاں بشیر احمد فرماتے ہیں :

''میرے کہنے پر محترم قائد اعظم نے مولوی عبدالحق
کو خط لکھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ
اجلاس لکھنؤ میں ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۳۷ع کو ہونے والا
ہے ۔ آپ آئیے اور ہمیں اُردو کے متعلق ریزولیوشن منظور
کرنے اور صورتِ حال پر غور کرنے میں مدد دیجیے ۔
ادھر میں نے بھی مولوی صاحب کو لکھا ۔ غرض وہ اور
میں دونوں لکھنؤ گئے اور اس اجلاس میں اُردو کے متعلق
ایک طویل اور جامع ریزولیوشن منظور کیا گیا ۔ مولوی
صاحب 'پسِ پردہ' شریک تھے ۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک برِّعظیم کے مسلمانوں
کی سیاست میں اُردو ایک اہم عنصر کی حیثیت سے داخل ہو چکی تھی
اور مسلم لیگ کے اجلاسِ لکھنؤ میں مولوی صاحب کی شرکت
کا سبب بھی یہی تھا ۔ اس سے پہلے ایک طرف تو ہندو مسلم مفاہمت
کے سلسلے میں قائد اعظم اور مہاتما گاندھی کی سیاسی گفتگو ناکام

۱۔ ''قومی زبان'' کراچی ، اگست ۱۹۶۶ع ، بابائے اُردو نمبر (چند باتیں
چند یادیں) ، ص ۱۸-۱۹ ۔

ہو چکی تھی اور دوسری طرف مولوی عبدالحق اور مہاتما گاندھی کے درمیان زبان کے مسئلے پر تنازعہ پیدا ہو چکا تھا ۔ اس مرحلے پر قائداعظم نے یہ محسوس کیا کہ اردو ہندی یا ہندی اتھوا ہندوستانی کا جھگڑا کوئی لساتیات کی بحث نہیں ہے بلکہ ایک خالص سیاسی مسئلہ ہے ۔ اسی بنا پر قائداعظم نے مولوی صاحب کو مسلم لیگ کے اجلاسِ لکھنؤ میں شریک ہونے کی دعوت دی اور اس سلسلے میں انہیں ایک ذاتی خط بھی لکھا ۔[1]

مختصر یہ کہ مولوی عبدالحق کی قوم پرستی نے چند سربرآوردہ نام نہاد نیشنلسٹ ہندوؤں کی فرقہ پرستی سے متصادم ہوکر شکست کھائی ۔ اگر مولوی صاحب ۱۹۳۶ع کے بعد ''بانگ درا'' پر تبصرہ فرماتے تو غالباً اس کا رنگ کچھ اور ہوتا ۔

اردو کے متعلق قائدِ اعظم کا احساس ایک تاریخی حیثیت پر مبنی تھا کہ یہ زبان جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول سے وجود میں آئی اور ایک مدت تک دونوں میں صلح و آشتی اور ایک مشترک ثقافت کا وسیلہ بنی رہی ، ہندوؤں کی تنگ نظری کا شکار ہو گئی ۔ سب سے پہلے فورٹ ولیم کالج کے اربابِ بست و کشاد نے اپنی مطبوعات میں اردو اور ہندی رسم الخط کو الگ الگ جاری کیا ۔ پھر ۱۸۶۷ع اور ۱۸۷۳ع میں بنارس کے ہندوؤں نے اردو کے خلاف تحریک شروع کی ، جس نے سید احمد خاں مرحوم کے جذبات کو اس درجہ مجروح کیا کہ ان کا سیاسی نقطۂ نگاہ سراسر بدل گیا ۔

---

۱ - چونکہ یہ خط مقابلتہً غیر معروف ہے اس لیے اس کا عکس اس کتاب کے ضمیمے کے طور پر شامل کر دیا گیا ہے ۔ اصل خط انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں محفوظ ہے ۔

اس سے پہلے وہ متّحدہ ہندوستانی قومیّت کے زبردست حامیوں میں سے تھے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو مادرِ ہند کی دو آنکھیں کہا کرتے تھے ۔ اس کے بعد انھیں یقین ہو گیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں اور ان کے راستے ایک دوسرے سے الگ ہیں ۔[1] ان کی ١٨٨٧ع کی لکھنؤ کی تقریر اسی ذہنی تبدیلی کی شاہد ہے ۔ سر سید کے انتقال کے دو سال بعد سر انتھنی میکڈانل نے ، جو اس زمانے میں موجودہ ہندوستان کے اترپردیش کے علاقے کے لفٹننٹ گورنر تھے ، ١٩٠٠ع میں اپنا مشہور سرکلر جاری کیا ، جس سے ہندی کی حمایت اور اُردو کی مخالفت مقصود تھی ۔ یہ اسی جھگڑے کا نتیجہ تھا کہ ١٩٠٦ع میں مسلمانوں کے ایک سیاسی ڈیپوٹیشن نے آغا خان مرحوم کی قیادت میں لارڈ منٹو وائسرائے ہند سے ملاقات کی اور مسلمانوں کے جداگانہ حقوق پر زور دیا ۔ اس کے بعد اسی سال ڈھاکے میں

١۔ سر سید احمد اپنی تعلیمی سروے کی رپورٹ میں لکھتے ہیں : ”میں تیس سال سے ملک کی خدمت کر رہا ہوں ۔ میں نے کبھی ہندو مسلمان کا امتیاز نہ کیا ۔ لیکن جب ہندوؤں نے اُردو کی مخالفت کی اور ہر ایسی شے سے بیزاری کا اظہار کیا جس کا تعلق اسلامی عہد سے ہے ، تو مجھے یقین ہو گیا کہ ہم مل کر کام نہیں کر سکتے ۔ اور میں نے اپنی کوششوں کا رخ مسلمانوں کی اصلاح اور تعلیم کی طرف پھیر دیا ۔ اُس وقت سے ہندو مسلمان الگ ہو گئے اور دو جدا قومیں بن گئیں ۔“
(”قومی زبان“ کراچی ، اپریل ١٩٦٦ع ، ص ٥ ۔ مولوی عبدالحق کی تقریر جو ٢٢ اپریل ١٩٥٠ع کو جہانگیر پارک ، کراچی میں ہوئی)
مشہور فرانسیسی محقق گارساں دتاسی نے بھی ہندوؤں کی اُردو دشمنی کو اسی جذبے پر محمول کیا تھا کہ ہندو ہر اُس چیز کو مٹا دینا چاہتے ہیں جو انھیں اسلامی عہد کی یاد دلائے ۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر آل انڈیا مسلم لیگ وجود میں آئی اور مسلمانوں کی سیاسی تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوا ۔ مولوی عبدالحق کا یہ کہنا صحیح ہے کہ :

"ہمیں پاکستان اور اس کے ساتھ زندگی کا نیا تصوّر اقبال نے دیا ۔ لیکن اگر آپ گزشتہ اسّی سال کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی ابتدا بھی ، گو وہ کیسی ہی خفیف ہو ، اردو سے ہوئی . . . قصرِ پاکستان کی بنیاد میں جس نے پہلی اینٹ رکھی وہ اردو تھی ۔"[۱]

مولوی عبدالحق ۲۰ اپریل ۱۸۷۰ء کو ہندوستان کے مشہور قصبے ہاپڑ کے قریب "سراوہ" نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ۔[۲] خاندان کے کائستھ تھے ۔ ان کے بزرگوں نے جہانگیر کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا ۔ مولوی صاحب ابھی کم سن ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ ان کے بڑے ماموں شیخ امتیاز علی اور دوسرے ماموؤں نے ، جو پنجاب کے محکمۂ مال میں ملازم تھے ،

۱۔ "قومی زبان" ، (ماہنامہ) ، کراچی ، اپریل ۱۹۶۶ء ، ص ۵ ۔

۲۔ یہ حالات مشفق خواجہ صاحب کے لکھے ہوئے ایک سوانحی نوٹ سے لیے گئے ہیں جو انھوں نے مولوی صاحب کی زندگی میں ان کی منظوری سے تیار کیا تھا ۔ مولوی صاحب کے چھوٹے بھائی شیخ احمد حسن صاحب نے "ابدی بھائی" کے عنوان سے جو مقالہ لکھا ہے (ملاحظہ ہو رسالہ "اُردو" بابائے اُردو نمبر ، ۱۹۶۲ء ، ص ۱۹-۲۶) اس میں مولوی صاحب کے مولد ، خاندان کے قبولِ اسلام ، اور والد کی وفات کے متعلق جو تفصیلات دی گئی ہیں وہ مشفق خواجہ صاحب کے نوٹ سے مختلف ہیں ۔ میں نے اختلافی تفصیلات کے بارے میں مشفق خواجہ صاحب ہی کے نوٹ پر انحصار کیا ہے ۔

مولوی صاحب کی پرورش کی - مولوی صاحب کی تعلیم کا ابتدائی دور پنجاب کے مختلف اضلاع ، مثلاً فیروز پور ، گجرات وغیرہ میں گزرا - میٹرک کا امتحان بھی انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی ہی سے پاس کیا - یہ ۱۸۹۰ع کا واقعہ ہے یعنی مولوی صاحب بیس سال کی عمر میں انٹرنس پاس ہوئے - اسی سال وہ علی گڑھ گئے اور ایم - اے - او کالج میں داخلہ لیا - یہ ہاپڑ کے پہلے شخص تھے جو انگریزی تعلیم کے لیے کالج میں داخل کیے گئے[1] - ۱۸۹۴ع میں الہ آباد یونی ورسٹی سے ، جس سے ایم - اے - او کالج ملحق تھا ، بی - اے کا امتحان پاس کیا - بی - اے میں ریاضی کے مضمون میں (علی گڑھ کالج کے طالب علموں میں) اول آئے اور اس کے لیے انھیں ایک طلائی تمغا انعام میں ملا - اس سے پہلے کالج میں انھیں بہترین اردو مضمون پر بھی تمغا مل چکا تھا -

علی گڑھ کا قیام مولوی صاحب کے لیے بڑا اہم تھا - یہاں وہ سید احمد خاں کی شخصیّت اور تعلیمی تحریک سے گہرے طور پر متاثر ہوئے اور یہ تاثّر آخر وقت تک قائم رہا - سید نے بھی اس جوہرِ قابل کو پہچانا اور طالب علمی ہی کے زمانے میں ''تہذیب الاخلاق'' میں ان سے کام لینا شروع کیا - مولوی صاحب حالی اور شبلی سے بھی علی گڑھ ہی میں متعارف ہوئے - شبلی کے تو وہ شاگرد بھی تھے ، اگرچہ ان سے کچھ زیادہ عقیدت پیدا نہ ہوئی - البتہ حالی نے ان کی زندگی ، ادب اور طرزِ تحریر پر اپنا اثر چھوڑا - ان کے

۱- ''اردو'' ، کراچی ، ۱۹۶۲ع ، (بابائے اردو نمبر) ، ''ابدی بھائی'' ، از شیخ احمد حسن ، ص ۲۳ -

علی گڑھ کے دوستوں میں ظفر علی خاں اور محفوظ علی بدایونی خصوصاً قابلِ ذکر ہیں ۔ مختصر یہ کہ اگر ہم مولوی عبدالحق کو علی گڑھ کالج کے ابتدائی دور کے بہترین طالب علموں اور سید احمد خاں کی تحریک کے بہترین نمایندوں میں سے شمار کریں تو مبالغہ نہ ہوگا ۔

علی گڑھ سے بی ۔ اے پاس کرنے کے بعد مولوی صاحب بمبئی گئے اور وہاں تجارت اور صحافت میں ہاتھ ڈالا ۔ مگر یہ کوشش انھیں راس نہ آئی ۔ ایک دولت مند سیٹھ بننا ان کے لیے نہیں لکھا تھا ، اور روزناموں میں مضمون نویسی سے زیادہ اہم کام ان کی صلاحیتوں کے منتظر تھے ۔ آخر سید احمد خاں کے ایما سے محسن الملک نے انھیں ایک سفارتی خط وقار الملک کے نام دیا ، جو اس زمانے میں حیدر آباد کے فنانس منسٹر تھے ۔ ان کی وساطت سے افسر الملک نے جو افواجِ دکن کے کمانڈر انچیف تھے ، انھیں اپنے قائم کردہ مدرسۂ آصفیہ کی صدر مدرسی یا ہیڈ ماسٹری پر تعینات کیا ۔ انھی دنوں مولوی صاحب نے رسالہ ''افسر'' کی ایڈیٹری بھی کی ۔ اس سے پہلے رسالۂ ''حسن'' میں ان کے مضامین شائع ہو چکے تھے[۱] ۔ انھوں نے

۱- ''قومی زبان'' ، کراچی ، اگست ، ستمبر ۱۹۶۲ع ، (''بابائے اردو اور رسالہ افسر'' از محمد اکبر الدین صدیقی) بابائے اُردو نمبر ، ص ۱۵ - ''قومی زبان'' ، کراچی اگست ۱۹۶۳ع ، (''بابائے اُردو اور رسالہ حسن'' از ادارہ قومی زبان) ، بابائے اُردو نمبر ، ص ۱۵۳ -
مولوی صاحب کے منظور کردہ نوٹ میں لکھا ہے کہ مولوی صاحب نے رسالہ ''افسر'' نکالا اور ''حسن'' کی ایڈیٹری کی ، یہ صحیح معلوم نہیں
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

آخرالذکر رسالے کا ایک انتخاب بھی شائع کیا تھا ۔ کچھ عرصے بعد حیدرآباد کے محکمہ تعلیم میں ان کا باقاعدہ طور پر تقرر ہوا اور وہ اورنگ آباد میں ایک مدت تک مہتمم تعلیمات کے عہدے پر فائز رہے ۔ اورنگ آباد میں مولوی صاحب کا قیام اورنگ زیب کی ملکہ رابعہ دورانی کے مقبرے کی عمارت کے ایک حصّے میں رہا اور انھوں نے اس تاریخی مقبرے کی دیکھ بھال بھی اپنے ذمے لے لی ۔ انجمن ترقی اُردو کا دفتر بھی وہیں تھا ۔ جب عثمانیہ یونی ورسٹی قائم ہوئی تو مولوی صاحب اس کے دارالترجمہ کے ناظم اور بعد میں شعبۂ اُردو کے صدر ہوئے ۔ اس یونی ورسٹی کی تشکیل میں مولوی صاحب کی کوششوں کو بہت دخل تھا ۔ اصل منصوبہ انھی کا تیار کردہ تھا[1]۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

ہونا ۔ اسی طرح غیور عالم صاحب نے اپنے مقالے ''حیاتِ عبدالحق'' (''قومی زبان''، بابائے اُردو نمبر، ۱۹۶۸ء، ص ۱۰۴) میں اپنی تحقیق کی بنا پر لکھا ہے کہ مولوی صاحب نے مڈل تک پنجاب میں تعلیم پائی اور ۱۸۸۸ء میں وہ علی گڑھ چلے گئے اور وہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ۔ مگر مولوی صاحب کے منظور کردہ نوٹ میں پنجاب سے میٹرک کرنا لکھا ہے ۔ موجودہ مقالے میں اس بارے میں اسی نوٹ پر انحصار کیا گیا ہے ۔

۱۔ مشفق خواجہ کا نوٹ، منظور کردہ مولوی عبدالحق ۔
''بابائے اُردو کی بامقصد زندگی'' از ڈاکٹر رحیم الدین کمال ۔ ''اُردو'' بابائے اُردو نمبر، ۱۹۶۲، ص ۳۱۲ ۔
''چند یادیں چند تاثرات''، ڈاکٹر یوسف حسین خاں (''قومی زبان''، بابائے اُردو نمبر، ستمبر ۱۹۶۸ء، ص ۲۱) ۔
''قومی زبان'' کراچی، ۱۹۶۶ء، (بابائے اُردو نمبر) ''اُردو کا محسنِ اعظم'' از غلام رسول مہر، ص ۱۵۰ ۔

۱۹۱۲ع میں مولوی صاحب انجمن ترقی اُردو کے سکریٹری منتخب ہوئے ۔ اس انجمن کا قیام ۱۹۰۳ع میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس دہلی میں ہوا تھا ۔ اس کا صدر مقام اس زمانے میں علی گڑھ تھا ۔ انجمن کے پہلے صدر علی گڑھ کالج کے مشہور انگریز پروفیسر ٹامس آرنلڈ تھے جو بعد میں سر ٹامس آرنلڈ ہوئے ۔ یہ وہی ٹامس آرنلڈ ہیں جو گورنمنٹ کالج لاہور میں اقبال کے استاد تھے اور جن کے ولایت واپس جانے پر اقبال نے ان کی یاد میں اپنی مشہور نظم ''نالۂ فراق'' لکھی ۔ انھی کے مشورے پر خود اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے ۔ انجمن کے پہلے معتمد مولانا شبلی تھے مگر وہ جلد ہی علی گڑھ چھوڑ کر حیدر آباد چلے گئے ۔ ۱۹۰۵ع میں مولانا شبلی کی جگہ مولوی حبیب الرحمٰن شروانی انجمن کے معتمد بنائے گئے ۔ ۱۹۰۹ع میں انھوں نے بھی استعفا دے دیا ۔ اسی سال ان کی بجائے ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس رنگون میں عزیز مرزا منتخب ہوئے ۔ مگر وہ دوسرے ہی سال فوت ہو گئے ۔ دسمبر ۱۹۱۲ع میں کانفرنس کے اجلاس لکھنو میں ، جو میجر سید حسن بلگرامی کی صدارت میں منعقد ہوا ، صاحب زادہ آفتاب احمد خاں کی تجویز پر باتفاق رائے مولوی عبدالحق انجمن کے معتمد مقرر کیے گئے[۱] اور برّ ِعظیم کی تقسیم تک اسی منصب پر فائز رہے ۔ ۱۹۱۳ع میں مولوی صاحب نے انجمن کا دفتر علی گڑھ سے اورنگ آباد منتقل کر دیا جہاں وہ محکمۂ تعلیم ریاست حیدر آباد میں تعیّنات تھے ۔

۱۔ ''قومی زبان'' ، کراچی ، ۱۹۶۷ع ، (بابائے اُردو نمبر) ، ''بیاد عبدالحق'' از حبیب اللہ رشدی ، ص ۱۷۳ ۔

۱۹۳۸ء تک انجمن کا دفتر اورنگ آباد میں رہا۔ مولوی صاحب حیدر آباد میں تھے تو وہ انجمن کے کام کی نگرانی وہیں سے کرتے رہے اور اس مقصد کے لیے حیدر آباد سے اورنگ آباد آتے جاتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں انجمن کا صدر مقام دہلی مقرر ہوا اور مولوی صاحب جو ریاست حیدر آباد کی ملازمت سے ریٹائر ہو چکے تھے، انجمن کے دفتر سمیت دہلی آ گئے۔ نمبر ۱، دریا گنج والے مکان میں، جو ڈاکٹر انصاری کی ملکیت تھا، مولوی صاحب اور انجمن کا قیام لوگوں کو اب تک یاد ہے۔ ۱۹۴۷ء میں وہ بساط آلٹ گئی۔ مولوی صاحب کے اپنے الفاظ میں ''ان ہولناک فسادات میں مارے کیے کرائے پر پانی پھر گیا۔ اس زمانے میں جن وحشیانہ حرکات اور بربریت کا ظہور ہوا انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بے چارہ خواہ مخواہ بدنام ہے۔ وہ انسان کی قساوتِ قلبی، ظلم و جبر، غارت گری و خون ریزی کو نہیں پہنچتا۔ اس لپیٹ میں انجمن بھی آ گئی۔ اس کا تمام سامان و اسباب تباہ کر دیا گیا۔ اس کا ایک کارکن اور اس کے بال بچے قتل کر دیے گئے۔ کتب خانے کا بیش تر حصہ جو بچ رہا تھا، اس کے لانے کی اجازت نہیں ملی۔ کئی لاکھ کی مطبوعات وہیں چھوڑنی پڑیں اور نقدی سرمایہ بھی ضبط ہو گیا۔ انجمن ایک لٹے پٹے قافلے کی طرح پاکستان پہنچی اور کراچی آ کر اطمینان کا سانس لیا۔''[۱]

سردار دیوان سنگھ مفتون کا بیان ہے کہ ''مولوی صاحب کی انجمن ترقی اردو کے دفاتر ۱۹۴۷ء میں غنڈہ گردی کی نذر ہو گئے اور لوٹ مار میں مولوی صاحب کا جمع کیا ہوا وہ نایاب لٹریچر . . .

۱۔ ''خطباتِ عبدالحق''، محولہ بالا، ص ۵۳۰۔

دہلی کے بازاروں میں تول کر ردی کے بھاؤ فروخت ہوا ۔"[1]

مولوی صاحب کے کراچی پہنچنے پر انجمن ترقی اُردو یہاں قائم ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ۱۹۴۸ع میں اُردو کالج کی بنیاد رکھی گئی ۔ یہ کالج اب تک ایک بہت بڑے تعلیمی ادارے کی حیثیت سے کام کر رہا ہے اور اس سال حکومت پاکستان نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا ہے ۔ مولوی صاحب چاہتے تھے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ اُردو کی ترقی کے لیے کام کریں ۔ مگر مولانا ابوالکلام آزاد[2]، ڈاکٹر ذاکر حسین خان اور دوسرے سربرآوردہ ہندوستانیوں نے انھیں ہندوستان سے چلے جانے کا مشورہ دیا ۔ مولوی صاحب کے اپنے الفاظ میں : "دلی میں رہ کر ہم نے سب جتن کر کے دیکھ لیا کہ یہاں دال گلتی نظر نہیں آتی ۔ آخر تنگ آ کر اسی میں خیریت دیکھی کہ دلی کو خیرباد کہیں . . . آخر ۲۸ جنوری ۱۹۴۹ع کو بمبئی سے یہ شعر پڑھتا ہوا جہاز میں سوار ہوا :

رخصت اے ہندوستاں اے بوستانِ بےخزاں
رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں"[3]

پاکستان میں انجمن مختلف مراحل سے گزری ۔ اس کے راستے میں اونچ نیچ بھی آئی[4] مگر زندہ رہی اور کام کرتی رہی ۔ مولوی صاحب

۱- "اُردو" کراچی ، ۱۹۶۲ع (بابائے اُردو نمبر) ص ۱۱ -
۲- "قومی زبان" کراچی ، ۱۹۶۶ع (بابائے اُردو نمبر) ، ص ۲۴۸-۲۵۵ -
۳- ہاشمی فرید آبادی ، سید : "پنجاہ سالہ تاریخ انجمن" ، کراچی ، ۱۹۵۳ع ، ص ۲۲۸ -
۴- عبدالحق ، مولوی : "پاکستان میں اُردو کا المیہ" کراچی -

ابتدا میں انجمن ترقی اردو ہند کی طرح اس انجمن کے سکریٹری تھے۔ ۱۹۵۷ع میں اس کے صدر منتخب ہوئے۔ ایک طویل علالت کے بعد ۱۶۔ اگست ۱۹۶۱ع کو مولوی صاحب نے کراچی میں انتقال فرمایا اور انجمن کے احاطے میں دفن ہوئے۔ انجمن قائم ہے اور حتی المقدور مولوی صاحب کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔

مولوی صاحب کو ان کی زندگی میں جو مختلف اعزازات ملے ان میں الہ آباد یونیورسٹی کی "ڈی لٹ" اور علی گڑھ کی پی ایچ۔ ڈی کی اعزازی ڈگریاں شامل ہیں۔ مگر ان سب سے بڑا اور سب سے پائدار اعزاز "بابائے اردو" کا خطاب ہے جو قوم نے انھیں دیا۔ زندہ تھے جب بھی عبدالحق کم تھے اور "بابائے اردو" زیادہ۔ اور آج کہ وہ دنیا میں نہیں ہیں، بابائے اردو پہلے ہیں، کچھ اور بعد میں۔

منجملہ اور چیزوں کے کراچی کی اس مشہور سڑک کا نام "بابائے اردو روڈ" رکھا گیا ہے جو انجمن کے دفتر کی طرف آتی ہے۔

مولوی صاحب کو جو دل بستگی انجمن ترقی اردو کے کام اور مشن سے تھی، اس نے ایک مدت تک ان کے علمی اور ادبی کارناموں کو نمایاں نہیں ہونے دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے عملی اور تنظیمی کام سے قطع نظر ان کا علمی اور ادبی کارنامہ اس پائے کا ہے کہ وہ اسی کے سہارے زندہ رہ سکتے تھے۔ قدیم اردو مخطوطات اور خصوصاً دکنی ادب کی طرف سب سے پہلے انھی نے توجہ کی اور توجہ دلائی۔ انھوں نے خواجہ گیسو دراز کی "معراج العاشقین" اور ایسے ہی قدیم اردو کے نمونے شائع کر کے اردو ادب کی تاریخ میں دو ڈھائی سو برس کا اضافہ کر دیا۔ اردو کی سب سے

قدیم تحریر ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ'' جسے انجمن کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے ، انھی کی کوشش سے دریافت ہوئی ۔ اسی طرح شمالی ہند کے قدیم ادب مثلاً ''باغ و بہار'' وغیرہ کو بھی مولوی صاحب کی توجہ نے ایک نئی زندگی بخشی ۔ انھوں نے متعدد شعرا کے دواوین مرتّب کیے ۔ اردو کے قدیم متون کو مرتّب کرنے کی روایت بھی انھی کی قائم کی ہوئی ہے ۔ کنسائز آکسفورڈ ڈکشنری کا ترجمہ اہلِ علم کی ایک جماعت کے تعاون سے کیا گیا ۔ اس انگریزی اردو ڈکشنری نے اردو میں تراجم کی راہ ہموار کی اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کی طباعت کے بعد ہمارے زمانے میں اردو تراجم کی رفتار میں اضافہ ہوا ۔ اس کے علاوہ اگر مولوی صاحب کی اپنی تحریروں کو دیکھا جائے تو ان میں تبصرہ نگاری ، مکتوب نگاری اور شخصی خاکوں کی ایک نئی روایت ملے گی ۔ ان کے اندازِ تحریر کی سادگی اور شگفتگی سید احمد خاں اور حالی کے سکول سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنے اندر ایک دل کش انفرادیت لیے ہوئے ہے ۔[1] ہاشمی فرید آبادی نے مولوی صاحب کی تحریر کو ''اردوئے مصفّٰی'' کا نام دیا تھا ۔[2] رشید احمد صدیقی کا کہنا ہے کہ اردو کا بنیادی اسلوب وہی ہے جو مولوی عبدالحق کا ہے ۔[3]

مولوی صاحب کی شادی بھی ہوئی تھی مگر نہ ہونے کے

۱۔ مولوی صاحب کی تصنیفات اور تالیفات کی ایک فہرست ضمیمے کے طور پر اس کتاب کے ساتھ شامل کر دی گئی ہے ۔

۲۔ ہاشمی فرید آبادی (مرتّب) : ''اردوئے مصفّٰی'' (خطوط عبدالحق) ، لاہور ، ۱۹۶۱ع ۔

۳۔ ''فکر و نظر'' ، علی گڑھ ، بابت اپریل ۱۹۵۸ع : ''اردو کا بنیادی اسلوب'' از رشید احمد صدیقی ۔

برابر۔[1] انھوں نے شعر بھی کہے ہیں۔ ان کا ایک شعر ''قومی زبان''، (بابائے اردو نمبر، ۱۹٦۳ع) میں چھپا ہے:

نہ عشقِ بتاں ہے نہ فکرِ معیشت
مگر جاگتے رات کٹتی ہے ساری

اس کے علاوہ اور بھی اشعار سننے میں آئے ہیں۔ امید ہے ان کا کلام، خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو، جمع کر کے چھاپا جائے گا۔ جو کچھ سنا گیا ہے، بلند پایہ ہے۔

اردو کی اشاعت اور ترویج کے لیے مولوی صاحب نے جو عملی کام کیے ان میں جامعۂ عثمانیہ کے منصوبے کی تشکیل اور تکمیل کا ذکر آ چکا ہے۔ انھوں نے تقسیم سے پہلے سارے برِ عظیم میں انجمن ترقی اردو کی شاخیں قائم کیں اور انھی کے ساتھ ساتھ تعلیمِ بالغاں کے مراکز کی بھی تنظیم کی۔ پاکستان میں ان کی سب سے بڑی یادگار اردو کالج ہے۔

مولوی عبدالحق جب پاکستان آئے تو انجمن کا کتب خانہ بڑی حد تک دہلی میں ضائع ہوگیا۔ تاہم مولوی صاحب اپنے ذاتی کتب خانے کے بہت سے نوادر ساتھ لے آئے۔ یہ اردو، فارسی اور عربی کے تقریباً ڈھائی ہزار مخطوطات تھے۔ ان میں بعض ایسے مخطوطے بھی ہیں جن کا کوئی دوسرا نسخہ دنیا کے کسی کتب خانے میں موجود نہیں۔ یہ مخطوطے پاکستان کے علمی سرمائے میں ایک وقیع اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے لیے ہمیں مولوی صاحب کا ممنون ہونا چاہیے۔

۱۔ ''قومی زبان''، کراچی، ۱۹٦۸ع، ''حیاتِ عبدالحق'' از غیور عالم، (بابائے اردو نمبر)، ص ۱۰۸۔

اقبال اور مولوی عبدالحق کے باہمی تعلقات کی ابتدا کب ہوئی ؟ یہ کہنا تو مشکل ہے مگر ان کی ہم کاری کی ابتدا اسی زمانے سے ہوئی جب مولوی صاحب انجمن ترقی اردو کے معتمد مقرر ہوئے ۔ ۱۹۱۳ء میں جب انجمن کی پہلی مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ نظما کی تشکیل ہوئی تو اقبال اس کے رکن تھے اور آخر دم تک رکن رہے ۔ انجمن نے مختلف موضوعات پر کتابیں شائع کرنے کے لیے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں جو مشاورتی کمیٹیاں قائم کی تھیں ان میں سیاسیات اور فلسفے کی کمیٹیوں میں اقبال بھی شامل تھے ۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب وضعِ اصطلاحات اور تراجم کے سلسلے میں بھی اقبال سے مشورہ کیا کرتے تھے ۔ اس کا ذکر خود اقبال نے مہاراجہ سر کشن پرشاد کے نام ایک خط[1] مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۸ء میں کیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے اقبال کو ترجموں سے خاص دلچسپی تھی ۔ انتقال سے تقریباً ایک مہینہ پہلے انھوں نے مولوی صاحب کو جو خط لکھا ہے ، اور جو مولوی صاحب کے نام ان کا آخری خط ہے ، وہ سارٹن کے اردو ترجمے کے متعلق ہے جو سید نذیر نیازی کر رہے تھے[2] ۔ یہ خط موجودہ مجموعے میں شامل ہے ۔

اقبال کا انجمن سے جو تعلق تھا اس کی ایک جھلک ان کے سفرِ مدراس میں بھی دیکھنے میں آئی جب انجمن ترقی اردو بنگلور کی طرف سے ۹ جنوری ۱۹۲۹ء کو ان کی خدمت میں ایک سپاس نامہ

۱۔ زور ، ڈاکٹر محی الدین قادری : ''شاد اقبال'' ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۴۲ء ، ص ۷۷ ۔

۲۔ ڈار ، بشیر احمد : ''انوارِ اقبال'' ، کراچی ، ۱۹۶۷ء ، ص ۲۲۳ ۔

پیش کیا گیا ۔[۱]

خود مولوی صاحب کو اقبال کے کلام سے جو دلچسپی تھی اس کا اظہار ان تبصروں سے ہوتا ہے جو انھوں نے اقبال کی اور اقبال سے متعلق تصنیفات پر وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے ۔ یہ تبصرے مندرجہ ذیل ہیں :

اول : ''بانگِ درا'' پر تبصرہ ۔[۲]

دوم : ''کلیاتِ اقبال'' مرتبہ محمد عبدالرزاق پر تبصرہ ۔[۳]

سوم : ''اقبال'' مولفہ مولوی احمد دین بی ۔ اے ایڈوکیٹ پر تبصرہ ۔[۴]

ان تبصروں پر تبصرہ کرنے کا یہ موقع نہیں ۔ ''بانگِ درا'' پر مولوی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ، اس کی طرف ایک مختصر سا اشارہ کیا جا چکا ہے ۔ دوسرے دونوں تبصروں میں کوئی خاص بات نہیں ۔ تینوں تبصروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی صاحب اقبال کے شاعرانہ مشن سے کماحقہ آگاہ نہیں ہو سکے ۔ ممکن ہے کہ اگر اقبال ''اسرارِ خودی'' اور ''رموزِ بے خودی'' اردو میں لکھتے تو ان کا نظریۂ حیات مولوی صاحب کے دل کو بھی مسخر کر لیتا ۔ مگر ہوا یہ کہ اقبال اور مولوی عبدالحق کے درمیان فارسی ایک پردہ بن کر حائل ہو گئی ۔ البتہ اردو کے بارے میں اقبال کی خدمات

۱۔ ایضاً ، ص ۲۳۶ ۔ ۲۳۹ ۔
۲۔ ''اردو'' ، اورنگ آباد ، اکتوبر ، ۱۹۲۳ع ، ص ۱۰۷ ۔ ۱۲۱ ۔
۳۔ ''اردو'' ، اورنگ آباد ، جنوری ، ۱۹۲۶ع ، ص ۱۹۰ ۔ ۱۹۱ ۔
۴۔ ''اردو'' ، اورنگ آباد ، اکتوبر ، ۱۹۲۶ع ، ص ۶۹۱ ۔ ۶۹۲ ۔

مولوی صاحب کے دل میں کچھ اس طرح گھر کر چکی تھیں کہ انھوں نے ان کی فارسی نویسی کی طرف سے ایک حد تک چشم پوشی فرمائی اور جو دلی تعلق انہیں اقبال سے پیدا ہو چکا تھا اس میں کوئی کمی نہ آ سکی ۔ اقبال کی وفات پر مولوی صاحب نے ''اردو'' میں جو تعزیتی شذرہ لکھا وہ اس کی گواہی دیتا ہے :

''اقبال کی موت ایک بہت بڑا قومی سانحہ ہے ۔ ایسا بلند خیال اور عالی فکر شاعر صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کے ساتھ ہی ہندوستان سے شاعری بھی اٹھ گئی ۔ مولانا حالی کے بعد شاعری سے اگر کسی نے حقیقی کام لیا تو وہ اقبال تھا ۔

''اس کے کلام نے دلوں میں گرمی اور خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا تھا ۔ اس نے قومی اور ملّی مسائل میں خیال و فکر کی رو بدل دی تھی ۔ بیسیوں لفظ ، خاص خاص ترکیبیں اور بعض خاص خیال اور افکار ہندوستان کے اردو ادیبوں اور شاعروں میں محض اقبال کے کلام کی بدولت سکّہء وقت کی طرح رائج ہو گئے تھے ۔

''اس کے کلام نے اردو زبان کا مرتبہ بڑھا دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اس میں کتنی وسعت و قوت اور صلاحیت ہے ۔ جب تک اردو زبان زندہ ہے اس کا کلام زندہ رہے گا ، اور پڑھنے والوں کے دلوں میں ولولہ ، فکر میں بلندی ، جذبات میں درد اور تخیّل میں پرواز پیدا کرتا رہے گا ۔''[۱]

۱۔ ''اردو'' اپریل ۱۹۳۸ع
اس سلسلے میں سر تیج بہادر سپرو کا تعزیتی خط بھی قابل ذکر ہے جو
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اقبال کی اُردو شاعری کو اس سے بڑا خراجِ تحسین کسی نے پیش نہیں کیا ۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب کی دو تقریریں اقبال سے متعلق ہیں جو محفوظ کر لی گئی ہیں ۔[1] پہلی تقریر ۲۲- اپریل ۱۹۵۰ع کو جہانگیر پارک کراچی میں کی گئی اور دوسری ۲۱- اپریل ۱۹۵۳ع کو ریڈیو پاکستان کراچی سے نشر ہوئی ۔

مولوی صاحب کے تینوں تبصرے ، اور یہ دونوں تقریریں اس کتاب کے ضمیمے کے طور پر شامل کی گئی ہیں ۔ ریڈیائی تقریر میں دو اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں ۔ ایک موقعے پر جب مولوی صاحب نے اقبال سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ سارے ہندوستان میں اُردو کی اشاعت کا جال پھیلا دوں ، تو اقبال نے سن کر کہا ''صرف ہندوستان میں ؟'' یہ ۱۹۳۵ع کا واقعہ ہے ، جب اقبال کا بیشتر فارسی کلام منظرِ عام پر آ چکا تھا ۔ مگر وہ اس کے خواہاں تھے کہ اُردو ایشیا بلکہ ساری دنیا کی ایک ممتاز زبان بن جائے ۔ دوسرا واقعہ اس سے ایک سال بعد کا ہے ، جب ایک اور ملاقات میں اقبال نے مولوی صاحب سے ایک بیان شائع کرنے کو کہا کہ ہم اُردو رسم الخط کو نہیں چھوڑیں گے ۔ اور مولوی صاحب نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اس تجویز کو قبول کرنے میں پس و پیش کیا تو اقبال کو ان کی یہ بات پسند نہیں آئی ۔ واقعہ یہ ہے کہ مولوی صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انھوں نے اقبال کی وفات پر مولوی عبدالحق کو لکھا تھا ۔ یہ خط ضمیمے کے طور پر اس کتاب میں شامل ہے ۔

۱- ''قومی زبان'' ، کراچی ، اپریل ۱۹۶۶ع ، ص ۳-۸ ۔

اس تجویز کے خلاف نہیں تھے ، مگر وہ یہ مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ اس قسم کا بیان اِس مرحلے پر شائع کیا جائے ۔

اقبال کی وفات پر مولوی صاحب نے رسالہ ''اُردو'' کا 'اقبال نمبر' نکالا جس کے پائے کا کوئی اقبال نمبر کسی رسالے کا آج تک نہیں نکلا ۔ رسالہ ''اُردو'' میں اقبال کی اور اقبال سے متعلق کتابوں پر وقتاً فوقتاً بیس بائیس تبصرے مولوی صاحب کے زیرِ ادارت شائع ہوئے ۔ مولوی صاحب کے اپنے تبصروں کا ذکر پہلے آ چکا ہے ۔ مکمل فہرست ضمیمے کے طور پر شامل کر دی گئی ہے ۔ ان کے علاوہ اقبال پر رسالہ ''اُردو'' میں جو مضامین شائع ہوئے ، ان میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا ''نطشے اور اقبال'' ، ڈاکٹر عابد حسین کا ''اقبال کا تصوّرِ خودی'' ، خواجہ غلام السیّدین کا ''اقبال ترقی پسند ادیب کی حیثیت سے'' ، ڈاکٹر یوسف حسین خاں کا ''اقبال اور آرٹ'' ، آلِ احمد سرور کا ''اقبال کے خطوط'' اور سر ڈینی سن راس کا ''محمد اقبال'' جیسے اہم مضامین شامل ہیں ۔ ایسے تمام مضامین کی فہرست بھی ضمیمے کی شکل میں دے دی گئی ہے ۔ اقبال کی دو نظمیں بھی پہلی بار رسالہ ''اُردو'' میں شائع ہوئیں ۔ ''شاعر'' (قطعہ) جنوری ۱۹۳۶ع کے پرچے میں شائع ہوئی اور ''مسعود مرحوم'' اکتوبر ۱۹۳۷ع میں ۔ موجودہ مجموعے کے خطوط میں ایک خط اسی آخری نظم کے متعلق ہے ۔ اقبال علی گڑھ کی اُردو کانفرنس منعقدہ ۱۹۳۶ع میں مدعو تھے مگر بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے ۔ انھوں نے ایک پیغام کانفرنس کو بھیجا تھا جو اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا ۔ افسوس ہے کہ اس کا متن دستیاب نہیں ہو سکا ۔

مگر یہ سب بعد کی باتیں ہیں ۔ اس سے بہت پہلے ۱۹۱۱ع میں

پنجاب کے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور و خوض کرنے کے لیے جب ایک انجمن پنجاب پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے قائم ہوئی تو اقبال اس کے سکریٹری تھے - ۱۵ - اپریل ۱۹۱۱ع کو اس کانفرنس کا جو اجلاس ہوا،[1] اس میں اردو سے متعلق دو اہم قراردادیں منظور کی گئیں - پہلی قرارداد یہ ہے :

''اس کانفرنس کی رائے میں آردو رسم الخط کا متداول رہنا صوبۂ پنجاب کی عام علمی اور تمدنی ترقی کے لیے ازبس ضروری ہے اور اس کے مرجودہ عالمگیر استعمال میں کسی قسم کی مداخلت کرنا صوبہ پنجاب کی علمی اور تمدنی ترقی کو سالہا سال پیچھے ڈال دے گا۔''

دوسری قرارداد :

''اس کانفرنس کی رائے میں صوبہ پنجاب کے بالعموم، اور مسلمانوں کے بالخصوص، علمی اغراض اس امر کے متقاضی ہیں کہ آردو زبان کو ہی صوبۂ پنجاب میں واحد ذریعۂ تعلیم رہنے دیا جائے۔''

پہلی قرار داد خان بہادر میاں (سر) محمد شفیع نے پیش کی اور حکیم امین الدین نے اس کی تائید کی - دوسری قرارداد کے پیش کرنے والے مولوی الف دین وکیل کیمبل پور اور اس کے موید مسٹر ظفر علی ڈسٹرکٹ جج تھے - کانفرنس کے اس سارے اجلاس کی روداد اقبال کے دستخطوں سے جاری ہوئی -

اقبال آخر دم تک آردو سے وابستہ رہے - ان کی ۱۹۳۸ع کی

۱- ڈار، بشیر احمد : ''انوار اقبال''، کراچی، ۱۹۶۷ع، ص ۲۹۵-۳۰۱ -

گفتگوئیں سید نذیر نیازی نے ''اقبال کے حضور'' کے عنوان سے مرتّب کی ہیں - ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء کی نشست[1] میں اقبال نے گفتگو کے دوران میں فرمایا :

''ہندی اور اُردو کے نزاع سے لے کر جب سالہا سال ہوئے مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے محسوس کیا کہ سر سید کا یہ قول کہ ہمارا اور ہندوؤں کا راستہ الگ ہے ، حرف بحرف صحیح ہے . . . یہ احساس اُس وقت بھی قائم تھا جب ترک موالات کی تحریک زوروں پر تھی اور اُس وقت بھی جب کانگریس نے علی الاعلان مسلمانوں کی جدا گانہ قومیت سے انکار کیا - جب نہرو رپورٹ پیش کی گئی اور جب اس سیاسی محاذ کے ساتھ قومی تعلیم اور قومی زبان کے نام سے ایک نیا محاذ ہماری تہذیب و تمدن اور ہمارے اخلاق و معاشرت کے خلاف قائم کیا گیا . . .''

۲- فروری ۱۹۳۸ء کی نشست[2] میں نذیر نیازی نے اقبال کے کہنے پر قائد اعظم محمد علی جناح کی ایک تقریر پڑھ کر سنائی جو اسی روز اخبار میں چھپی تھی - اقبال اس تقریر کی دو باتوں سے خوش ہوئے : ''ایک تو جناح کے اس کہنے پر کہ بندے ماترم سے شرک کی بو آتی ہے - دوسرے اس پر کہ ہندی ہندوستانی کی تحریک دراصل اُردو پر حملہ ہے - اور اُردو کے پردے میں بالواسطہ اسلامی تہذیب پر -''

۱- نذیر نیازی ، سید : ''اقبال کے حضور'' ، کراچی ، ۱۹۷۱ء ، جز اول ، ص ۴۹ -

۲- ایضاً ، ص ۱۲۵ - ۱۲۶ -

۷۔ مارچ کی نشست میں اقبال کا ارشاد تھا کہ انگریزوں نے ''باوجود سلطنتِ مغلیہ کے زوال و انتشار کے . . . یہ ملک مسلمانوں سے چھینا تھا ، مسلمانوں کے لسانی اور تہذیبی غلبے کو وہ اپنے لیے ایک خطرہ تصوّر کرتے تھے لہـٰذا انھوں نے بڑی تن دہی سے اُردو کو فروغ دیا تاکہ مسلمانوں کا رشتہ فارسی اور عربی سے کٹ جائے اور وہ اپنے علمی اور تہذیبی ورثے سے محروم ہو جائیں ۔ مگر پھر اسی اُردو سے جب مسلمانوں کے شعور ملّی کو تقویت پہنچی اور وہ ان کی قومی زبان بن گئی تو یہ امر طبعاً حکومت کو ناگوار گزرا اور اب اس نے اُردو کے مقابلے میں ہندی کی حمایت شروع کر دی ۔''

ان ارشادات کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ زبان کے معاملے میں اقبال کا تاریخی اور ثقافتی شعور مولوی عبدالحق کی نسبت زیادہ گہرا تھا ۔ مولوی صاحب اُردو کو ہندو مسلم اتّحاد کی زبان سمجھتے تھے اور اُس وقت تک سمجھتے رہے جب تک فرقہ پرست[1] ہندو قیادت نے ان سے یہ نہ کہہ دیا کہ ''اُردو مسلمانوں کی زبان ہے ۔ قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے ۔ مسلمان بادشاہوں نے اسے پھیلایا ۔ مسلمان چاہیں تو اسے رکھیں ۔'' اقبال مولوی صاحب کے نقطۂ نگاہ سے بیگانہ نہیں تھے ۔ ایک مدت تک وہ ہندو مسلم اتحاد بلکہ وحدتِ قومی کے علمبردار رہے[2] مگر ان کی نظر میں اُردو کی بڑھتی ہوئی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ وہ مسلمانوں کے ثقافتی سرمائے کی امانت دار بن چکی تھی ۔ اسی لیے جب انھیں متّحدہ قومیت کے

۱۔ ''خطباتِ عبدالحق'' ، کراچی ، ۱۹۶۴ع ، اشاعتِ ثانی ، ص ۵۲۰ ۔
۲۔ ان کی ابتدائی نظمیں اس کی شاہد ہیں ، مثلاً نیا شوالہ ، تصویرِ درد ، ہندی بچوں کا قومی گیت وغیرہ ۔

امکانات سے کوئی دل چسپی نہ رہی اور ان کے ذہن میں ہندو مسلم مفاہمت نے ہندو مسلم اتحّاد کی جگہ لے لی اس وقت بھی ان کا اُردو سے تعلق نہ صرف یہ کہ قائم رہا ، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مستحکم ہوگیا ۔ نذیر نیازی کی یادداشتیں اور خود مولوی صاحب کی تقریریں اس کی گواہ ہیں ۔ زندگی کے آخری دور میں تو اقبال ، مولوی صاحب کے مشن سے اس قدر ہم آہنگ تھے کہ ان کی تمنّا تھی کے زندگی کے باقی دن مولوی صاحب کے ساتھ رہ کر اُردو کی خدمت کریں ۔[1] یہ خدمت نہ تو لسانی سیاست تک محدود تھی اور نہ ہی اُردو پرستی کی حد تک پہنچتی تھی ۔ اقبال اُردو کے خادم تھے ، پرستار نہیں تھے ۔ انھوں نے ۱۹ ۔ اگست ۱۹۲۳ع کو سردار عبدالرب نشتر کے ایک خط کے جواب میں لکھا :

''زبان کو میں ایک بت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے ، بلکہ اظہارِ مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں ۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مردہ ہو جاتی ہے ۔ ہاں تراکیب کے وضع کرنے میں مذاقِ سلیم کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے ۔''[2]

اسی موضوع پر مولوی عبدالحق کو چودہ برس بعد لکھتے ہیں :

''زبان کے بارے میں سرکاری امداد پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشو و نما

۱۔ مکتوب بنام عبدالحق ، مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ع ۔

۲۔ عطاء اللہ ، شیخ : ''اقبال نامہ'' ، حصہ اول ، ص ۵۲ ۔

پاتی ہیں اور نئے نئے خیالات و جذبات کے ادا کر سکنے پر
ان کے بقا کا انحصار ہے ۔"[1]

اقبال نے اردو زبان کو نئے خیالات ، نئے جذبات ، نئے کلمات اور نئی تراکیب سے مالامال کیا ۔ ترجمے اور اصطلاحات میں دلچسپی لی ۔ ان کا ایک ترجمہ جس میں انھوں نے ڈاکٹر وائٹ برجنٹ کے ایک مقالے بعنوان "اردو زبان" کو انگریزی سے اردو میں منتقل کیا تھا ، "مخزن" کے ستمبر ۱۹۰۲ع کے شمارے میں چھپا تھا ۔[2] وضعِ اصطلاحات کے بارے میں انجمن کے کام کی اعانت کے علاوہ ان کی ذاتی کوشش "علم الاقتصاد" کی تصنیف سے متعلق ہے جو عصر حاضر کی اقتصادیات پر اردو میں سب سے پہلی کتاب ہے ۔ اس میں اقبال نے نئی نئی اصطلاحیں اردو میں استعمال کیں ، اور چونکہ مولانا شبلی نے اس کتاب کو اشاعت سے پہلے دیکھا تھا ، ان نئی اصطلاحوں میں ان کی منظوری کو بھی شامل سمجھنا چاہیے ۔

اقبال کی شاعری کا تفصیلی جائزہ اس مقالے کی حدود سے باہر ہے مگر ایک چیز جس کی طرف ابھی تک توجہ نہیں کی گئی وہ اقبال کی عظمتِ بیان ہے جو ذوق و سودا کے قصائد کے شکوہِ الفاظ سے ماورا ہے اور جس کے لیے انگریزی میں "گرینڈ سٹائل" کی ترکیب استعمال ہوتی ہے ۔ اقبال کی نثر اگرچہ زیادہ نہیں مگر اپنے اختصار اور جامعیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی ۔ اور کہیں کہیں تو وہ نثر میں شاعری کر جاتے ہیں ۔

۱۔ مکتوب بنام عبدالحق ، مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۷ع ۔
۲۔ تاج ، تصدق حسین : "مضامینِ اقبال" ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۶۳ع ، ص ۱ - ۷ ۔

اقبال زبان اور محاورے کے جھگڑے میں الجھنا پسند نہیں کرتے تھے مگر جب ۱۹۰۲ع میں کسی بے نام اہلِ زبان نے اقبال اور ناظر کے کلام پر اعتراض کیے تو اقبال نے ''مخزن'' کے اکتوبر ۱۹۰۲ع کے پرچے میں ان اعتراضات[1] کا جواب دیا اور ہر قدم پر اساتذۂ اردو کی سند پیش کی ۔

یہ جواب قطعی اور مسکت ہے ۔ ایک اعتراض جسے انھوں نے صحیح تسلیم کیا ، علامتِ فاعل سے متعلق ہے ۔ تقریباً تیس سال بعد[2] اہلِ پنجاب اور اہلِ زبان میں یہ مسئلہ بڑی بحثابحثی کا سبب بنا اور ''نیازمندانِ لاہور'' نے یہ موقف اختیار کیا کہ فاعل کے ساتھ علامتِ فاعل موزوں ہے ، نہ کہ علامتِ مفعول ۔ پنڈت برجموہن کیفی نے بڑی حد تک اس موقف کی تائید کی ہے[3]۔ اقبال بھی یہی کہہ سکتے تھے مگر انھوں نے اعتراض کو مان لیا ۔ شاید اس وجہ سے کہ :

تامنفعل ز رنجشِ بے جا نہ بینمش
می آرم اعترافِ گناہ نبودہ را

اس ایک مقالے سے جس کا عنوان ''پنجاب میں اردو'' ہے ، پتا چل سکتا ہے کہ اقبال کا اردو ادب اور خصوصاً اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کتنا وسیع تھا ۔ دراصل یہ زبان اور محاورے کی چستی پر زور دینے کا نتیجہ تھا کہ اردو کی ترقی کی رفتار مقابلۃً سست رہی ۔ زبان

۱۔ تاج ، تصدق حسین : ''مضامین اقبال'' محولہ بالا ، ص ۲۳ - ۲۸ -
۲۔ ''نیازمندانِ لاہور'' میں اس زمانے کے چند مشہور اور نوجوان پنجابی ادیب شامل تھے ۔ یہ بحثیں ''نیرنگ خیال'' ، کے ذریعے پھیلیں ۔
۳۔ پنڈت کیفی : ''کیفیہ'' انجمنِ ترقی اُردو ، ۱۹۵۰ع ، ص ۱۶۷ - ۱۶۸ -

شستہ و رفتہ تو بنتی گئی مگر اس کی معنویت کو کم فروغ ہوا ۔[۱] متروکات کا دائرہ وسیع اور زبان کا دائرہ تنگ ہوتا گیا ۔ اساتذۂ فن اپنے اپنے محاورے اور روزمرہ کو مورچے بنا کر ان پر ڈٹے رہے ۔ جناب انیس جن کی زبان پر خود لکھنو میں اعتراض ہوئے ، فرماتے ہیں :

دعوائ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے ؟
اظہارِ بوے مشک غزالوں کے سامنے ؟

دلی سے فصیح الملک مرزا داغ نے چیلنج کیا :

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

نسیم دہلوی کا ارشاد تھا :

نسیمِ دہلوی ہم موجدِ بابِ فصاحت ہیں
کوئی اُردو کو کیا سمجھے گا ، جیسے ہم سمجھتے ہیں

داغ نے پھر للکارا :

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

ادھر سے حفیظ جالندھری پنجاب کا جھنڈا اٹھا کر میدان میں کود ے

۱- حضرت جوش ملسیانی مدظلہم ، جن کی زبان پر بڑے سے بڑا اہل زبان بھی حرف نہیں رکھ سکتا ، اپنے مجموعۂ سخن "بادۂ سر جوش" کے دیباچے میں رقم طراز ہیں کہ اساتذۂ دہلی و لکھنو کے سارے متروکات میرے نزدیک بھی متروکات ہیں ۔ مگر ان کے علاوہ دو تین سو لفظ اور ہیں جو میں نے ذاتی طور پر ترک کر دیے ہیں ۔ اس کے بعد ان کی فہرست دے دی ہے ۔ اب آئے میدان میں جس کی مجال ہے !

اور یہ سمجھیے کہ بلوہ ہوتے ہوتے رہ گیا :

جنگ چھڑ جائے ہم اگر کہہ دیں
یہ ہماری زبان ہے پیارے

اقبال نے اس جتھے بازی سے اپنا دامن بچایا :

اقبال لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

مگر اس کے ساتھ ہی غالب کی یاد تازہ کرتے ہوئے یہ بھی کہہ گئے :

گیسوے آردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائی دلسوزیِ پروانہ ہے

یہ بات اس سے پہلے کسی نے نہیں کہی تھی ۔ خداے سخن میر نے جب کہا تھا :

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

تو انھیں بھی یہ خیال نہ گزرا ہوگا کہ ایک نئی دنیا اپنے خیالات و جذبات ، افکار و احساسات لیے اردو کا انتظار کر رہی ہے جس کے لیے نئی زبان اور نیا بیان درکار ہوں گے ۔ یہ شعور اقبال اور مولوی عبدالحق میں مشترک تھا اس لیے مولوی صاحب نے اقبال ہی کے مصرع کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا :

گیسوے اردو ابھی مٌنت پذیرِ شانہ ہے

اقبال کا یہی احساس تھا جس نے انھیں اپنی شاعری کے ایک خاص مرحلے پر فارسی کی طرف مائل کیا ۔ ''اسرارِ خودی'' کی تمہید کے آخر میں فرماتے ہیں :

گرچہ ہندی در عذوبت شکّر است
طرزِ گفتارِ دری شیریں تر است

پارسی از رفعتِ اندیشہ ام
در خورد با فکرتِ اندیشہ ام

مگر اقبال کا عارضی طور پر اردو کو چھوڑ کر فارسی اختیار کرنا اردو سے بیزاری یا اس کی مخالفت پر محمول نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ اپنے خیالات کے لیے ایک مناسب اور موزوں پیرایۂ اظہار کی تلاش میں تھے ۔ انھیں اس وقت جو کچھ کہنا تھا ، فارسی زبان کی فکری روایات اور صلاحیتوں کے پیشِ نظر وہ ان خیالات کو فارسی میں اردو سے بہتر ادا کر سکتے تھے ۔ مزید براں فارسی اور اردو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں ۔ اردو میں فارسی کے الفاظ چالیس پچاس فی صد سے کم کیا ہوں گے ۔ لیکن جب اقبال فارسی سے اردو کی طرف واپس آئے تو ان کے کلام میں ایک وسعت ، ایک گہرائی اور ایک پختگی تھی جو ''بانگِ درا'' کی نظموں میں نہیں ملتی ۔ ''بالِ جبریل'' ، ''ضربِ کلیم'' اور ''ارمغانِ حجاز'' نے اقبال کے بعد آنے والوں کے لیے اردو میں بلند سے بلند اور وسیع سے وسیع خیالات اور جذبات کی ترجمانی کا راستہ ہموار کر دیا ہے ۔ اقبال اردو سے کبھی روٹھے نہیں ۔ بلکہ ہمہ وقت ایک مشاطہ کی طرح اس پری پیکر کے گیسو سنوارنے میں لگے رہے ۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ جوانی میں جو محبت انھیں اردو سے پیدا ہوئی تھی ، اسے انھوں نے آخر تک نباہا ۔

☆ ☆ ☆

مکتوباتِ اقبال

بنام بابائے اردو مولوی عبدالحق

لاہور ۲۷ مارچ ۳۶ء

مخدومی جناب مرزا — نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ خلاف تجویز
ملا تھا مگر میں علالت کے سبب جواب جلد نہ لکھ سکا
پہلے سے اچھا ہوں مگر ابھی کراچی سفر کے قابل نہیں خصوصاً جب کہ سفر ۱۲ گھنٹے سے زیادہ کا ہو
رات بھر ریل میں سفر کرنے سے بہت تکلیف ہو جاتی ہے جو بعد تک تکلیف دیتی ہے اور یہ سلسلہ کئی دن
رہتا ہے۔ بہرحال اگر [illegible] ڈاکٹروں نے اجازت دی تو [illegible] سفر کے قابل ہو گیا تو [illegible]
[illegible] ہوتا۔ [illegible] اگر [illegible] ہوتی تو [illegible] حاضر ہو سکتا [illegible]
ہوتا۔ اگرچہ میں اردو زبان [illegible] زبان [illegible] کرنا [illegible] نہیں رکھتا [illegible]
[illegible] سے کسی طرح کم نہیں ہے۔
آپ نے [illegible] میں [illegible] زیادہ [illegible] میرے خیال میں [illegible]
[illegible] اور یہ کہ [illegible] کہاں سے [illegible] تمام مسلمانوں [illegible] اخبارات [illegible]
ہے اور [illegible] کہ [illegible] اگر [illegible] اور [illegible]
[illegible] [illegible] میرے خیال میں [illegible] ہو جائے اور [illegible]
ایک [illegible] زیادہ [illegible] ان مسلمانوں [illegible] جو [illegible] آئندہ [illegible]
[illegible] ہوگا۔ [illegible] کہ [illegible] زمانہ [illegible]
[illegible] مسلمانان [illegible] کا [illegible] کہ آئندہ [illegible]
معلوم ہوتا ہے

(۱) آپ انگریزی اردو سے تعلق [illegible] تک پہنچ تمام کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے یہ لازم ہے
اور یہ بہت [illegible] ہے کہ [illegible] سے ہٹ کر [illegible] اور عام بول چال [illegible] ہے
انگریزی [illegible] تو اس کے لیے [illegible] مطالعہ کی ضرورت ہوگی۔

(۲) یہاں کے لوگوں میں اثر قبول کرنے کا مادہ زیادہ ہے — سادہ دل لوگ اپنی [illegible]
[illegible] باتیں سننے [illegible] اثر قبول کرنے [illegible]
[illegible]
مجھ [illegible] ہے — یہ بات [illegible] نصیب [illegible]

باقی [illegible]

انسان جب [illegible] ہوتی ہیں
[illegible] ہوتا

[illegible] جو [illegible] تھا اب [illegible]
[illegible] ہے۔

زیادہ [illegible] ہوتا

[illegible]

لاہور ۲۱ اکتوبر ۳۶ء

مخدومی مولانا — میں تو علی گڑھ حاضر ہونے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا مگر افسوس کہ کمر کے درد سے ابھی تک افاقہ نہیں ہوا۔ اسی بنا پر بقیہ علاج کے لیے بھوپال بھی جانا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس فلسطین کانفرنس کی صدارت سے بھی اسی بنا پر انکار کرنے پر مجبور ہوا حالانکہ مسئلہ فلسطین سے مجھے بے حد دلچسپی ہے۔

آپ کی تحریک سے ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل وابستہ ہے۔ ایک اعتبار سے یہ تحریک اس تحریک سے کسی طرح کم نہیں جس کی ابتدا سر سید رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور

۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب مولوی صاحب۔

آپ کا والا نامہ مع پوسٹر اور اغراض و مقاصد انجمن ملا۔ مجھ کو ان اغراض و مقاصد سے پورا اتفاق ہے۔ نیز انجمن کی سرپرستی قبول کرنا بھی منظور ہے۔

اردو کی اشاعت کے نقطۂ نظر سے انجمن کا دلی میں منتقل کرنا نہایت ضروری ہے۔ معلوم نہیں آپ کے حالات ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ کاش میں اپنی زندگی کے باقی دن آپ کے ساتھ کام کر کے اردو کی خدمت کر سکتا۔ لیکن افسوس کہ علالت پیچھا نہیں چھوڑتی۔ دوسرے بچوں کی خبرگیری نیز ان کی تعلیم و تربیت کے افکار دامن گیر ہیں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

لاہور
۱۲ اگست ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب مولانا ۔

مسعود مرحوم کا اخلاص اس کی دردمندی اور اس کا اخلاق جس میں اس کے باپ اور دادا دونوں کی جھلک نظر آتی تھی۔ اب ہندوستان میں کہاں یہ باتیں کہاں نظر آئیں گی!
جس روز مرحوم کی ناگہانی موت کی خبر لاہور پہنچی ہے۔ میں نے اسی روز چند اشعار لکھے تھے۔ جو ارسال خدمت کرتا ہوں۔ مگر یہ اشعار مرثیہ کہلانے کے مستحق نہیں۔ مرثیہ لکھنا مجھے آتا بھی نہیں۔ میرے لیے مرحوم کا غم محض ایک محرک تھا اس یقین کی آرزو اور تلاش کا کہ مرحوم باوجود جسم سے جدا ہو جانے کے مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔ آنسو بہانا ایک فطری امر ہے مگر میرا غم اسی یقین سے ملا ہوا ہے۔ گذشتہ چالیس سال سے میرے قلب کی یہی کیفیت چلی آتی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ مرحوم کے متعلق میں آپ کو کچھ دنوں کے بعد ایک اور خط لکھوں گا۔ فی الحال اس خط کی رسید سے مطلع کر دیجئے۔ تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ کہ اشعار مرسلہ آپ تک پہنچ گئے ہیں۔
سر اکبر حیدری سے ملاقات ہو۔ تو میرا سلام عرض کر دیجئے۔ اخبارات میں دیکھا ہے۔ کہ وہ ولایت سے واپس آ گئے ہیں۔ والسلام

آپ کا مخلص
محمد اقبال

مجھے ضعف بصارت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا۔ یہ خط ایک دوست سے لکھوایا ہے۔ نظم کا بند دوسرا بند الٹا لکھا گیا ہے۔ معاف فرمائیے

Dr. Sir Mohammed Iqbal
BAR-AT-LAW

MAYO ROAD
Lahore 9 Sept., 1937.

مخدوم جناب مولوی صاحب

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے بہت شکر گزار ہوں۔ اردو زبان کے تحفظ کے لئے جو کوششیں آپ کر رہے ہیں۔ ان کے لئے مسلمانوں کی آئندہ نسلیں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔ مگر آپ سے زیادہ اس بات کو کون سمجھ سکتا ہے کہ زبانوں کے بارے میں سرکاری امداد پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشو و نما پاتی ہیں۔ اور نئے نئے خیالات و جذبات کے ادا کر سکنے پر ان کی بقا کا انحصار ہے۔ آپ کی کوششوں کا مرکز وہی پروگرام ہونا چاہئے۔ جو آپ علی گڑھ میں وضع کر چکے ہیں۔ کبھی کبھی پنجاب کا دورہ بھی لازم ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کسی گزشتہ خط میں آپ نے مجھے لکھا تھا۔ کہ مجھے اپنے دنیاوی شخصی افکار سے مضطرب نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اس اضطراب کو اپنے احباب کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ کیا اس معاملے میں آپ نے کوئی عملی اقدام کیا؟ اگر اب تک نہیں کیا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت موقعہ ہے۔ کیونکہ سر اکبر حیدری نے اپنے گزشتہ خطوں میں امید دلائی ہے۔ یا ایسے اشارات کئے ہیں۔ جن سے امید بندھتی ہے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

Dr. Sir Mohammed Iqbal
BAR-AT-LAW

Lahore

MAYO ROAD

۷ اکتوبر ۳۷ء

مخدومی جناب مولانا

السلام مسنون ۔ میں نے سنا ہے کہ لیگ کی طرف سے آپ کو لکھنؤ آنے کی دعوت دی گئی ہے ۔ براہ عنایت اس سفر کی زحمت ضرور گوارا فرمائیے ۔ اردو کے متعلق اگر لیگ کے کھلے سیشن میں کوئی مناسب قرارداد منظور ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس کا اثر بہت اچھا ہوگا ۔

[illegible] نے آپکے بہتر ایک [illegible] لکھا تھا ۔ رسید تو اسکی [illegible] تو علیحدہ خط [illegible] ابھی تک منتظر ہوں ۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

مخلص

محمد اقبال

Dr. Sir Mohammad Iqbal,
M. A., Ph D.,
Bar at Law

Mayo Road,
LAHORE......[illegible]......193

مخدومی جناب مولانا - السلام

علیکم - الہ آباد یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری آپ کو

مبارک ہو - حقیقت یہ ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی نے آپ کی قدرشناسی

کرکے اہل علم کی نگاہ میں اپنے آپ کو مستحق مبارکباد کر لیا - اسلئے آپ کو

مبارکباد دینے کی بجائے الہ آباد یونیورسٹی کو بھی اپنی طرف سے مبارکباد

دیتا ہوں - امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا -

مخلص

محمد اقبال

جاوید منزل، لاہور
۱۵ مارچ ۳۷ء

ڈیر مولوی صاحب

سلام مسنون ۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا ۔ مجھے معلوم
ہوا ہے کہ مصنف کی انگریزی کتاب مسمّٰی تاریخ سیاسیات کا ترجمہ نیازی صاحب چھپوانے کیلئے آمادہ
ہیں کر رہے ہیں ۔ میں نے ترجمہ کا ایک حصہ خود دیکھا ہے ۔ غالباً مسودہ کا بیشتر حصہ
مکمل ہو چکا ہے ۔ چونکہ گذشتہ پانچ چھ برس سے نیازی صاحب کو صحبت الٰہیات
رہی ہے اس لیے وہ بحیثیت ترجمے کا کام آپ کر سکیں گے ۔ ترجمہ اب ختم ہو چکا
ہے اور نیازی صاحب نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ ایک ماہ یا دو ماہ کی مہلت میں چھاپ سکیں گے
نیازی صاحب آپ کی مدد کے مستحق ہیں ۔ میں نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ ان کی ضرورت اور مشقت اور
دیکھ کر ان کی مدد فرمائیں تاکہ ترجمہ کی اشاعت جلد ہو سکے ۔ مخلص

محمد اقبال

(۱)

لاہور

۲۷ ستمبر ۳۶ء

مخدومی[1] جناب مولانا - نوازش نامہ ابھی ملا ہے - اس سے پہلے بھی آپ کا خط مع تجویز[2] ملا تھا - مگر میں علالت[3] کے باعث جواب جلد نہ لکھ سکا -

پہلے سے اچھا ہوں مگر افسوس کہ ابھی سفر کے لائق نہیں - خصوصاً جب کہ سفر ۱۲ گھنٹے سے زیادہ ہو - رات بھر ریل میں سفر کرنے سے مجھے قبض ہو جاتی ہے جو سخت تکلیف دیتی ہے اور یہ سلسلہ کئی کئی دن رہتا ہے - بہرحال اگر اردو کانفرنس کی تاریخوں تک میں سفر کے قابل ہو گیا تو ان شاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا لیکن اگر حاضر نہ بھی ہو سکا تو یقین جانیے کہ اس اہم معاملے[4] میں کلیۃً آپ کے ساتھ ہوں - اگرچہ میں اردو زبان کی بحیثیت زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، تاہم میری لسانی عصبیّت دینی عصبیّت سے کسی طرح کم نہیں ہے -[5]

آپ کی تجویز میں اختلاف کی کوئی زیادہ گنجائش نہیں - میرے خیال میں صرف دو باتیں زیرِ بحث آئیں گی -

اول یہ کہ فنڈ[6] کہاں سے آئے گا؟ عام مسلمانوں کی حالت اقتصادی اعتبار سے حوصلہ شکن ہے - امرا توجہ کریں تو کام بن سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر مسلمان امرا مقروض ہیں -[7]

دوم یہ کہ صدرِ انجمن کا مستقر کہاں ہو؟ میرے خیال میں اس

کا مستقر لاہور ہونا چاہیے اور اس کے لیے ایک سے زیادہ وجوہ ہیں :

(۱) مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے جو لڑائیاں آیندہ لڑنی پڑیں گی ، ان کا میدان پنجاب ہوگا ۔ پنجابیوں کو اس میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں گی کیونکہ اسلامی زمانے میں یہاں کے مسلمانوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی ۔ مگر اس کا کیا علاج کہ آیندہ رزم گاہ یہی سرزمین معلوم ہوتی ہے ۔[۸]

(۲) آپ انجمن اردو سے متعلق ایک پبلشنگ ہاؤس قائم کرنا چاہتے ہیں ۔ اس کی کامیابی بھی لاہور ہی میں ہو سکتی ہے کیونکہ ایک بڑا پبلشنگ سنٹر[۹] ہے اور بہت سا طباعت کا کام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے ۔ انگریزی پبلشنگ کی طرف بھی یہاں کے مسلمان توجہ کر رہے ہیں ۔

(۳) یہاں کے لوگوں میں اثر قبول کرنے کا مادہ زیادہ ہے ۔ سادہ دل[۱۰] صحرائیوں کی طرح ان میں ہر قسم کی باتیں سننے اور ان سے متاثر ہو کر ان پر عمل کرنے کی صلاحیت اور مقامات سے بڑھ کر ہے ۔ ایک معمولی جلسے کے لیے آٹھ دس ہزار مسلمانوں کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ۔ بلکہ بیس بیس ہزار کا مجمع بھی غیرمعمولی نہیں ۔ یہ بات پنجاب کے ہندوؤں میں بھی نہیں پائی جاتی ۔

باقی رہا آپ کے خط کا آخری فقرہ[۱۱] ، سو میں اس کے لیے آپ کا بہت شکر گزار ہوں ۔ انسان جب تک زندہ ہے افکار و تردّدات

لازمۂ حیات ہیں : ع

مرتا ہوں جو بے چین گھڑی بھر نہیں ہوتا

معنوی اعتبار سے تو مدت ہوئی میں نے اسے آپ پر ہی چھوڑ دیا تھا ۔ اب ظاہری اعتبار سے بھی چھوڑتا ہوں ، کیونکہ آپ ایک صاحبِ عزم[۱۲] آدمی ہیں اور یہ بات مجھے مدت سے معلوم ہے ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا ۔

مخلص

محمد اقبال

(۲)

لاہور

۲۱ اکتوبر ۳۶ع

مخدومی مولانا - میں تو علی گڑھ[۱] حاضر ہونے کا مصمّم ارادہ رکھتا تھا مگر افسوس کہ کمر کے درد سے ابھی تک افاقہ نہیں ہوا - اس بنا پر بقیہ علاج کے لیے بھوپال[۲] بھی نہیں جا سکا - علیٰ ہذا القیاس فلسطین کانفرنس[۳] کی صدارت سے بھی اِسی بنا پر انکار کرنے پر مجبور ہوا - حالانکہ مسئلہ[۴] فلسطین سے مجھے بے حد دل چسپی[۳] ہے -

آپ کی تحریک سے ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل وابستہ ہے - بہت سے اعتبار سے یہ تحریک اُس تحریک سے کسی طرح کم نہیں جس کی ابتدا سر سید رحمۃ اللہ علیہ[۵] نے کی تھی -

زیادہ کیا عرض کروں - اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا -[۶]

مخلص

محمد اقبال

(۳)

لاہور

۲۸ اپریل ۱۹۳۷ع[۱]

مخدومی جناب مولوی صاحب ۔

آپ کا والا نامہ بمع[۲] روئداد اور اغراض و مقاصدِ انجمن ملا ۔ مجھ کو اِن اغراض و مقاصد سے پورا اتفاق ہے ۔ نیز انجمن کی رجسٹری[۳] کرانا بھی منظور ہے ۔

اُردو کی اشاعت اور ترقی کے لیے آپ کا دلی میں نقلِ مکان[۴] کرنا بہت ضروری ہے ۔ معلوم نہیں آپ کے حالات[۵] ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں ۔ کاش میں اپنی زندگی کے باقی دن آپ کے ساتھ رہ کر اردو کی خدمت کر سکتا[۶] ۔ لیکن افسوس کہ ایک تو علالت پیچھا نہیں چھوڑتی ، دوسرے بچوں کی خبرگیری اور ان کی تعلیم و تربیت کے فکر افکار دامن گیر ہیں ۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

مخلص

محمد اقبال

(۴)

لاہور

۳ اگست ۱۹۳۷ع

مخدومی جناب مولانا

مسعود مرحوم[1] کا اخلاص ، اس کی درد مندی اور اس کا اخلاق جس میں اس کے باپ اور دادا دونوں کی جھلک نظر آتی تھی ، اب ہندوستان میں یہ باتیں کہاں نظر آئیں گی !

جس روز مرحوم کی ناگہانی موت کی خبر لاہور پہنچی ہے ، میں نے اسی روز چند اشعار لکھے تھے جو ارسالِ خدمت کرتا ہوں ۔ مگر یہ اشعار مرثیہ کہلانے کے مستحق نہیں ۔ مرثیہ لکھنا مجھے آتا بھی نہیں ۔[2] میرے لیے مرحوم کا غم محض ایک محرّک ہے اِس یقین کی آرزو اور تلاش کا کہ مرحوم باوجود ہم سے جدا ہو جانے کے مرا نہیں بلکہ زندہ ہے ۔[3] آنسو بہانا ایک فطرتی امر ہے مگر میرا غم اِسی یقین سے ہلکا ہوتا ہے ۔ گذشتہ چالیس سال سے میرے قلب کی یہی کیفیت چلی آتی ہے ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

مرحوم کے متعلق میں آپ کو کچھ دنوں کے بعد ایک اور خط لکھوں گا ۔ فی الحال اس خط کی رسید سے مطلع کر دیجیے تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ اشعارِ مرسلہ آپ تک پہنچ گئے ہیں ۔

سر اکبر حیدری[4] سے ملاقات ہو تو میرا سلام عرض کر دیجیے ۔

اخبارات میں دیکھا ہے کہ وہ ولایت سے واپس آ گئے ہیں ۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال

مجھے ضعفِ بصارت[۵] کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے ۔ یہ خط ایک دوست سے لکھوایا ہے ۔ نظم کا ان سے دوسرا بند اُلٹا لکھا گیا ہے ، معاف فرمائیے ۔

(۵)

لاہور
۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

مخدومی جناب مولوی صاحب ،

تسلیم ! آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے بہت شکرگزار ہوں ۔ اُردو زبان کے تحفّظ کے لیے جو کوششیں آپ کر رہے ہیں ان کے لیے مسلمانوں کی آیندہ نسلیں آپ کی شکر گزار ہوں گی ۔[۱] مگر آپ سے زیادہ اِس بات کو کون سمجھ سکتا ہے کہ زبان کے بارے میں سرکاری امداد پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔[۲] زبانیں اپنی اندرونی قوّتوں سے نشو و نما پاتی ہیں اور نئے نئے خیالات و جذبات کے ادا کر سکنے پر ان کے بقا کا انحصار ہے ۔ آپ کی کوششوں کا مرکز وہی پروگرام ہونا چاہیے جو آپ علی گڑھ میں وضع کر چکے ہیں ۔[۳] کبھی کبھی پنجاب کا دورہ بھی لازم ہے[۴] ۔

آپ کو یاد ہوگا کسی گذشتہ خط میں آپ نے مجھے لکھا تھا کہ مجھے اپنے دنیاوی افکار سے مضطرب نہ ہونا چاہیے ۔ بلکہ اس اضطراب کو اپنے احباب کے لیے چھوڑ دینا چاہیے ۔ کیا اس معاملے میں آپ نے کوئی عملی اقدام کیا ؟ اگر اب تک نہیں کیا تو میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت موقعہ ہے کیونکہ سر اکبر حیدری نے اپنے گذشتہ خطوں میں امید دلائی ہے یا ایسے اشارات کیے ہیں جن سے امید بندھتی ہے ۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(٦)

لاہور
۷ اکتوبر ۳۷ء

مخدومی جناب مولانا ،

سلامِ مسنون

میں نے سنا ہے کہ لیگ کی طرف سے آپ کو بھی لکھنؤ آنے کی دعوت دی گئی ہے ۔ براہِ عنایت اس سفر کی زحمت ضرور گوارا فرمائیے[۱] ۔ اُردو کے متعلق اگر لیگ کے کھلے سیشن میں کوئی مناسب قرارداد منظور ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس کا اثر بہت اچھا ہوگا ۔

تھوڑا عرصہ ہوا میں نے آپ کی خدمت میں ایک رجسٹرڈ[۲] خط لکھا تھا ۔ رسید تو اس کی واپس آ گئی تھی لیکن خط کے جواب کا ابھی تک منتظر ہوں ۔ امید ہے[۳] آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔[۴]

مخلص

محمد اقبال

(۷)

لاہور

۲۳ دسمبر ۳۷ء

مخدومی جناب مولانا ، مزاج شریف ۔

السلام علیکم ۔ الہ آباد یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری آپ کو مبارک ہو ۔ حقیقت یہ ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی نے آپ کی قدر شناسی کر کے اہلِ ہنر کی نگاہوں میں[1] مستحقِ مبارک باد کر لیا ہے ۔ اس واسطے آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے الہ آباد یونیورسٹی کو بھی ان کی نکتہ شناسی پر مبارک باد[2] دیتا ہوں ۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

مخلص

محمد اقبال

(۸)

جاوید منزل ، لاہور[۱]

۱۵ مارچ ۳۸ء

ڈیر مولوی صاحب

سلامِ مسنون ۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سارٹن کی انگریزی کتاب 'مقدمہ تاریخِ سائنس' کا ترجمہ نیازی صاحب آپ کے لیے اُردو میں کر رہے ہیں ۔ میں نے ترجمے کا ایک حصہ خود بھی دیکھا ہے ۔ نصف سے زیادہ کتاب کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے ۔ چونکہ گذشتہ پانچ[۲] چار برس سے نیازی صاحب کے حالات اچھے نہیں رہے ، اس لیے وہ باطمینان ترجمے کا کوئی حصہ آپ کو نہ بھیج سکے ۔ ترجمہ اب صاف ہو رہا ہے اور نیازی صاحب نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اپریل سے ماہ بماہ آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے گا ۔ نیازی صاحب آپ کی مدد کے مستحق ہیں ۔ میں چاہتا ہوں آپ انھیں تھوڑا سا وقت اور دیجیے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ ترجمے کی اقساط آپ کو بھیج سکیں ۔

مخلص

محمد اقبال

حواشی

مکتوبِ اول :

۱- اقبال نے مولوی صاحب کو ''مخدومی جناب مولانا'' کہہ کر خطاب کیا ہے - یہی خطاب باقی ماندہ سات خطوں میں سے تین میں استعمال ہوا ہے - ایک میں ''مخدومی مولانا'' دو میں ''مخدومی جناب مولوی صاحب'' اور ایک میں ''ڈیر مولوی صاحب'' ہے -

مولوی صاحب اقبال سے عمر میں بھی بڑے تھے (اقبال کی مختلف تاریخ ہائے پیدائش کے پیشِ نظر تین سال سے سات سال تک) اور اقبال کو ان کا احترام بھی تھا - خصوصاً اس لیے کہ وہ مولوی صاحب کو اپنے الفاظ میں ایک ''صاحبِ عزم'' آدمی سمجھتے تھے -

رہا ''مولانا'' کا خطاب تو مولوی صاحب کو عام طور پر ''مولوی'' ہی کہا جاتا تھا اور اب بھی وہ مولوی عبدالحق ہی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں - ''مولانا عبدالحق'' سے ذہن شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف منتقل ہوتا ہے - یہاں بھی اقبال کو احترام کا اظہار ہی مقصود ہے -

مولوی صاحب کی ''مولویت'' کا ماخذِ اول ان کی ریشِ مبارک یا مشرقی وضع نہیں تھی بلکہ حیدر آباد دکن کے ایک عہدیدار کی حیثیت سے دوسرے عہدیداروں کی طرح وہ ''مولوی'' کہلاتے تھے - البتہ ان کی وضع قطع نے اس خطاب کے مستقل کرنے میں ضرور مدد دی -

۲- تجویز - یہ تجویز انجمن کے صدر مقام اور پبلشنگ ہاؤس کی بابت ہی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ موجودہ خط انھی معاملات سے متعلق ہے - افسوس کہ مولوی صاحب کا خط ، جس کا جواب اس خط میں ہے ، دستیاب نہیں ہو سکا -

۳- علالت - علی بخش مرحوم کے قول کے مطابق ''اس علالت کی ابتدا ۱۹۳۲-۱۹۳۳ء میں ہوئی - جاڑے کا موسم تھا اور عید تھی - اقبال عید پڑھنے گئے - واپسی پر انھوں نے دہی کے ساتھ سویّاں کھائیں جو ان کی مرغوب غذا تھی - دوسرے ہی دن ان کا گلا خراب ہو گیا - اُس رات وہ دو ڈھائی بجے تک کھانستے رہے اور صبح کو آواز بند ہوگئی - یہ علالت ان کے انتقال تک قائم رہی -'[1]

سید نذیر نیازی نے اپنی کتاب ''اقبال کا مطالعہ'' کے آخری باب میں ، جو اقبال کی آخری علالت سے متعلق ہے ، بیماری کا تذکرہ مقابلۃً تفصیل سے کیا ہے - معالجوں میں دلی کے حکیم نابینا ، لاہور کے حکیم قرشی اور بھوپال کے ڈاکٹر باسط قابلِ ذکر ہیں - اقبال کے بھوپال کے قیام کا مقصد بھی زیادہ تر علاج تھا - اس کی تفصیلات صہبا لکھنوی کی تحقیقی اور پُراز معلومات کتاب ''اقبال اور بھوپال'' (اقبال اکادمی کراچی ، ۱۹۷۳ء ، ص ۱۰۰-۱۰۸) وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں -

علالت کے سلسلے میں اقبال نے ایک دفعہ راقم الحروف کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مذاقاً فرمایا کہ یہ جو میں زندگی اور کائنات کے بڑے بڑے راز آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں ، یہ بیماری اسی کی سزا ہے -

۴- ''اس معاملے میں میں کلیۃً آپ کے ساتھ ہوں -'' شیخ عطاء اللہ کے مرتّب کردہ ''اقبال نامے'' میں ''کلیۃً'' سے پہلے کا ''میں'' محذوف ہے - اسی طرح خط کے آخر میں ''اقبال نامہ'' میں ''والسلام'' ہے - مگر اصل خط میں صرف ایک لکیر سی ہے جسے ''والسلام'' بھی سمجھا جا سکتا ہے اور محض خط کا اختتام بھی -

۵- یہ اقبال کی کسر نفسی ہے جو ان کی سیرت کا ایک مستقل جزو تھی - ورنہ جو خدمت انھوں نے اُردو زبان کی بحیثیت زبان کے کی ہے وہ اُردو کی ساری تاریخ میں شاید ہی کسی اور نے کی ہو - واقعہ یہ ہے

۱- اقبال ، شاعر اور فلسفی ، (بزبانِ انگریزی) ، پاک جرمن فورم کراچی ، ۱۹۶۰ء ، ص ۱۳۴ -

کہ اقبال کی نظم و نثر نے اُردو کو جو پہنائی اور گہرائی بخشی ہے اور جن لسانی، ادبی اور علمی بلندیوں پر اُسے پہنچایا ہے اس کا کماحقہ ابھی تک اعتراف نہیں کیا گیا ۔

اقبال لسانی عصبیّت کے حامی ہیں مگر تعصّب کے نہیں ۔ انھیں فارسی اور انگریزی سے بھی محبت تھی ۔ فارسی میں ان کا کلام فارسی ادب کی دولت ہے ۔ ایران کے دورِ حاضر کے سب سے بڑے شاعر ملک الشعرا بہار نے راقم الحروف سے ایک دفعہ کہا کہ اقبال کا اندازِ فکر و بیان فارسی میں اس قدر منفرد ہے کہ وہ اس کے متعلق اپنی ''سبک شناسی'' سے الگ ایک مستقل کتاب لکھنا چاہتے ہیں ۔ افسوس ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا ۔ یہ شعر بہار ہی کا ہے :

عصرِ حاضر خاصۂ اقبال گشت
واحدی کز صد ہزاران برگذشت

انگریزی میں اقبال ایک صاحبِ طرز ادیب اور اختصار اور جامعیت کے بادشاہ ہیں ۔ ان کا علمی کارنامہ بیشتر انگریزی میں ہے ۔ ان کی انگریزی نثر میں کہیں سے ایک لفظ بھی نکال دیا جائے تو مطلب فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے ۔

اس کے علاوہ اقبال عربی کے عالم اور سنسکرت ، جرمن اور دوسری یورپین زبانوں سے بھی بخوبی واقف تھے ۔ انھوں نے جہاں تک ہو سکا ، دنیا کی ہر زبان سے استفادہ کرنا چاہا اور ان کی علمی کاوشوں کا فائدہ بیشتر اُردو کو پہنچا ۔ مگر ان کی اُردو دوستی کسی بھی زبان کی مخالفت سے وابستہ نہیں تھی ۔

۶۔ ''فنڈ'' پبلشنگ ہاؤس کی تجویز سے متعلق ہے ۔ اقبال کو اقتصادیات سے جو گہری دل چسپی تھی وہ تمام عمر قائم رہی ۔ ان کی ''علم الاقتصاد'' کا ذکر اس سے پہلے آ چکا ہے ۔ ان کی ۱۹۰۷ع والی تقریر جس کا اصل انگریزی متن ناپید ہے اور جو اِس وقت ظفر علی خاں کے ترجمے کی صورت میں ''ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کے عنوان سے موجود ہے ، مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے افلاس کی ایک دل خراش تصویر پیش کرتی ہے ۔ جب اقبال کیمبرج میں تھے تو انھیں وقتاً فوقتاً یہ احساس ہوتا تھا

کہ فلسفے میں ان کا انہماک ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے ، چنانچہ اس احساس کے پیش نظر وہ کالج کالج اقتصادیات کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے - معاشی مسائل سے اقبال کی دل چسپی ان کے سارے کلام خصوصاً خضر راہ ، جاوید نامہ ، ضرب کلیم ، سے ظاہر ہوتی ہے - برعظیم میں ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کے تخیّل کی وضاحت کرتے ہوئے قائد اعظم سے خط و کتابت کے دوران میں انھوں نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے مسئلے کو ایک بنیادی اہمیت دی - (تفصیلات کے لیے 'علم الاقتصاد' ، اقبال اکادمی، ۱۹۶۱ع کے پیش لفظ اور دیباچے سے رجوع کرنا چاہیے) آخر میں وہ دور حاضر کے علم معاشیات کی بعض کاوشوں سے غیرمطمئن نظر آتے ہیں :

تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھّا ہی کیا ہے آخر
خطوط خم دار کی نمائش ، مریز و کج‌دار کی نمائش

۷- مسلمان امرا کے مقروض ہونے کی بڑی وجہ ان کی فضول خرچی تھی اور ہے - روپیہ پانی کی طرح بہانے کی جو غلط عادت مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں سیکھی تھی ، افسوس ہے وہ اسے اپنی غلامی کے دور میں بھی نہ بھلا سکے - پنجاب کے مسلمان زمینداروں میں یہ بات عام تھی کہ جتنا زیادہ قرضہ کسی پر ہو وہ اتنا ہی بڑا آدمی سمجھا جاتا تھا - یعنی کہ چھوٹے آدمی کو قرضہ دیتا ہی کون ہے ؟ نتیجہ یہ کہ قومی کاموں میں مدد دینے کی خواہش اگر بفرض محال موجود بھی ہو تو وسائل کی کمی راستے میں حائل ہوتی تھی - البتہ مسلمان تاجر خصوصاً سودگران چرم قومی فلاح و بہبود کے کاموں میں پیش پیش تھے -

۸- پنجاب کے بارے میں اقبال کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی - ان کی اور پیشین گوئیاں بھی قابل ذکر ہیں - مثال کے طور پر دسمبر ۱۹۳۰ع میں آل انڈیا مسلم لیگ کے الہ آباد کے اجلاس میں ان کا خطبۂ صدارت پاکستان کے قیام کی پیشین گوئی کی حیثیت رکھتا ہے - اسی طرح "پیام مشرق" کے "ساقی نامہ" میں جو نشاط باغ کشمیر میں لکھا گیا ، کشمیری مسلمان کے متعلق ایک شعر ہے :

بریشم بقا خواجہ از محنت او
نصیب تنش جامۂ تار تاری

خدا کی قدرت کہ اس کے دو سال بعد جب کشمیر کی تحریکِ آزادی وجود میں آئی تو اس کا آغاز سرینگر کے ریشم کے کارخانے سے ہوا - اس پر خود اقبال کو تعجب تھا - جس کا اظہار انھوں نے ایک ملاقات میں راقم الحروف سے کیا -

۹- پبلشنگ - لاہور میں اُردو زبان میں نشر و اشاعت کا کام باقاعدہ طور پر منشی ہر سکھ رائے کے اخبار ''کوہ نور'' سے شروع ہوا جو ۱۸۵۱ع میں جاری کیا گیا - اور اس کے بعد کے چند روزنامے اور جرائد بھی ہندوؤں کے جاری کردہ تھے - مگر مسلمان بھی اس میدان میں ہندوؤں کے دوش بدوش رہے -

۱۸۵۱ع ہی میں فقیر سراج الدین کی سرپرستی اور شہسوار الدین فائز کی ادارت میں ''دریائے نور'' نکلا - اس زمانے سے لے کر اقبال کے عہد تک مسلمانوں نے متعدد رسائل و جرائد جاری کیے - ان کے چھاپے خانے اور اشاعتی ادارے وجود میں آئے - ان میں ''پیسہ اخبار'' اور ''وطن'' مشہور ہیں - ۱۹۳۶ع میں ''انقلاب'' ، ''زمیندار'' اور ''احسان'' اور ایسے ہی اور روزنامے اور ''ہمایوں'' ، ''نیرنگ خیال'' ، ''ادبی دنیا'' اور ''عالمگیر'' جیسے ادبی رسائل جاری تھے - اس کے علاوہ ایک تعداد اُن روزناموں اور رسائل و جرائد کی ہے جو اس سے پہلے یا اس کے بعد مختصر مدت کے لیے نکلے اور بند ہو گئے[۱] - انگریزی صحافت اور طباعت مسلمانوں میں اُردو کے بعد شروع ہوئی - اس سلسلے میں ''آبزرور'' اور ''مسلم آؤٹ لُک'' قابلِ ذکر ہیں - ڈاکٹر محمد باقر نے لاہور کے چھاپے خانوں اور اشاعتی اداروں کی جو فہرست دی ہے اس میں ایک معقول تعداد ایسے چھاپے خانوں اور اداروں کی ہے جو تقسیم سے پہلے سے چلے آتے ہیں - لاہور یقیناً بیسویں صدی میں اقبال کے آخری زمانے تک برعظیم کا ایک بہت بڑا طباعتی مرکز بن چکا تھا - اور اقبال اس لحاظ سے مولوی صاحب کو یہ مشورہ دینے میں حق بجانب تھے -

''ایک پبلشنگ سنٹر'' سے پہلے لفظ ''یہ'' سہواً رہ گیا ہے -

۱- نقوش ، لاہور نمبر ، مقالہ اُردو صحافت ، عبدالسلام خورشید ، ص ۸۳۹ -

۱۰- پنجاب کے مسلمانوں کے جذبۂ تاثر و عمل کی شہادت صرف بیسویں صدی میں ڈھونڈنی ہو تو کانگریس ، خلافت ، ہجرت ، شہید گنج اور تحریکِ پاکستان اس کی شاہد ہیں ۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے کی مثالیں بے شمار ہیں ۔ مہارانا نصراللہ خان ملکانہ راجپوت کا جلوس ابھی تک لوگوں کو نہیں بھولا ۔ اور قائد اعظم کے جلسوں اور جلوسوں کی نظیر تو ڈھونڈے سے نہیں ملے گی ۔ سادہ لوحی اور ذہنی سہل انگاری کے متعلق اقبال کی نظم ''پنجابی مسلمان'' بھی قابلِ ملاحظہ ہے ۔[۱]

۱۱- اس فقرے کی وضاحت اقبال کے مکتوب مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۷ع سے ہوتی ہے جس کا دوسرا پیراگراف حسبِ ذیل ہے :

''آپ کو یاد ہوگا کہ کسی گذشتہ خط میں آپ نے مجھے لکھا تھا کہ مجھے اپنے دنیادی افکار سے مضطرب نہ ہونا چاہیے ، بلکہ اس اضطراب کو اپنے احباب کے لیے چھوڑ دینا چاہیے ۔ کیا اس معاملے میں آپ نے کوئی عملی اقدام کیا ؟ اگر اب تک نہیں کیا تو میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت موقع ہے کیوں کہ سر اکبر حیدری نے اپنے گذشتہ خطوط میں اُمید دلائی ہے یا ایسے اشارات کیے ہیں جن سے امید بندھتی ہے'' ۔

یہ سارا پیراگراف ''اقبال نامے'' میں محذوف ہے ۔ ممکن ہے کہ ''اقبال نامے'' کے مرتّب شیخ عطاء اللہ مرحوم نے خود مولوی صاحب کے ایما پر ایسا کیا ہو ۔

ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کو حیدر آباد دکن سے بھوپال کی طرح پنشن کی توقع تھی اور مولوی صاحب نے اس سلسلے میں کوشش کرنے کا وعدہ فرمایا تھا ۔ مولوی صاحب کے تعلقات سر اکبر حیدری سے بہت اچھے تھے اس لیے اقبال کو امید تھی ۔ مگر اس معاملے کا انجام افسوس ناک ہوا ۔ سر اکبر حیدری نے بالآخر اقبال کو جس صورت اور انداز میں امداد پیش کی (یعنی ''یومِ اقبال'' پر ایک ہزار

۱- ضربِ کلیم ، مسعود پبلشرز ، حیدر آباد دکن ، ص ۵۲ ۔

روپے کا چیک) وہ ان کے لیے ناقابلِ قبول تھی :

غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے کہ لے میری خدائی کی زکوٰۃ

(ارمغان حجاز)

۱۲- یہ مولوی صاحب کا عزم و عمل تھا جس نے سب سے زیادہ اقبال کے دل میں ان کے لیے احترام پیدا کیا - مولوی صاحب کی زندگی میں ایک ہی بڑا جذبہ کار فرما نظر آتا ہے - اور ایک بڑا جذبہ —— بقول نطشے —— سارے چھوٹے جذبوں کو ختم کر دیتا ہے - اقبال نے شاید یہ شعر مولوی صاحب ہی کے لیے کہا تھا :

عمل خواہی ؟ یقیں را پختہ ترکن
یکی بین و یکی جوی و یکی باش

(پیامِ مشرق)

مکتوبِ دوم :

۱- علی گڑھ سے اقبال کو اُردو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی - اس کانفرنس کے کوائف اور روئداد ضمیمے کے طور پر اس کتاب میں شامل ہیں -

۲- یہ کمر کا درد اصل علالت کے علاوہ تھا - اقبال علاج کے لیے تین دفعہ بھوپال تشریف لے گئے - اس خط کے چار مہینے بعد (۲ مارچ تا ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ع) وہ تیسری اور آخری بار بھوپال گئے -[1]

۳- یہ آل انڈیا فلسطین کانفرنس ، دہلی میں ٦ نومبر ۱۹۳٦ع سے ۸ نومبر ۱۹۳٦ع تک منعقد ہوئی - اس میں عربوں پر جبر و استبداد کی مذمّت کی گئی اور فلسطین پر انگریزی انتداب ختم کرانے کے لیے مجلسِ اقوام سے ، جو اُس وقت نیم مردہ حالت میں زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی ، اپیل کی گئی - کانفرنس میں "اعلانِ بالفور" کو ناکام بنانے کا تہیّہ کیا گیا تاکہ یہودی فلسطین میں آباد نہ ہو سکیں -

---

۱- صہبا لکھنوی : "اقبال اور بھوپال" ، کراچی ، ۱۹۷۳ع ، ص ۱۵۹ -

ایک ''کونسل آف ایکشن'' بھی قائم کی گئی[1] ۔ اس کانفرنس کے سلسلے میں ''انقلاب'' بابت ۲ اکتوبر ۱۹۳۶ع کی رپورٹ بھی دلچسپی سے خالی نہیں :

''دہلی ۳۰ ستمبر ۔ کل پانچ بجے شام جمعیۃ العلماے ہند کے دفتر میں آل انڈیا فلسطین کانفرنس کے سلسلے میں مقامی مسلمانوں اور باہر کے لیڈروں کی ایک بے ضابطہ میٹنگ ہوئی جس میں اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو آل انڈیا فلسطین کانفرنس کی صدارت کے لیے دعوت دی جائے ۔ مولانا شوکت علی صاحب ممبر اسمبلی نے ، جو اس میٹنگ میں شریک ہونے کے لیے خاص طور پر شملہ سے آئے تھے ، فرمایا کہ چونکہ سر محمد اقبال نے خرابیٔ صحت کی بنا پر کانفرنس کی صدارت سے معذوری ظاہر کی ہے اس لیے مولانا آزاد کو دعوت دی جائے ۔ حاضرین نے اتفاق رائے سے یہ تجویز منظور کر لی ۔''

معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد بھی صدارت نہ فرما سکے اور ان کی بجائے سید سلیمان ندوی نے یہ فریضہ انجام دیا ۔ کیونکہ کانفرنس کے بعد مفتی اعظم فلسطین نے سید صاحب کو ایک تار بھیجا جس کا متن حسب ذیل ہے :

''آپ کی کانفرنس (موسومہ فلسطین کانفرنس) نے جن شریف جذبات کا اظہار کیا ہے ، اس نے مسلمانانِ فلسطین کے دلوں میں مسرت و انبساط کی لہر پیدا کر دی ہے اور ہماری امیدوں کو تازہ کر دیا ہے ۔ ہم آپ لوگوں کی ہمدردی کے بے حد شکر گزار ہیں ۔ اگر آپ نے اپنی کوششوں کو مسلسل جاری رکھا تو یہ امر ہماری تقویت کا باعث ہوگا ۔''[2]

۴۔ مسئلۂ فلسطین سے اقبال کو ایک مستقل اور جذباتی وابستگی تھی ۔ گول میز کانفرنس سے واپسی پر انھوں نے فلسطین میں مؤتمر عالم اسلامی

۱۔ ''انقلاب'' لاہور ، ۹ نومبر اور ۱۱ نومبر ۱۹۳۶ع (مکمل فائل لائبریری نیشنل بینک آف پاکستان میں محفوظ ہے) ۔

۲۔ تہذیبِ نسواں ، لاہور ، بابت ۵ دسمبر ، ۱۹۳۶ع ۔

کے اجلاس میں شرکت کی اور وطن واپسی پر یکم جنوری ۱۹۳۲ع کو اخبارات میں ایک بیان دیا جس میں منجملہ اور امور کے بیت المقدس میں موجودہ طرز کی ایک نئی یونی ورسٹی کے قیام کی حمایت کی تھی جس کا ذریعۂ تعلیم عربی ہو۔ کیونکہ اقبال کی نگاہ میں ''صرف عربی ہی وہ غیر یورپی زبان ہے جو موجودہ زمانے میں خیالات کی ترقی کے ساتھ بڑھتی رہی ہے۔''[1] تقسیمِ فلسطین کی حمایت میں جو رپورٹ برطانیہ سے شائع ہوئی تھی اس پر اقبال نے ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ع کو پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک عام اجلاس کے لیے ایک بیان لکھا تھا جو ان کی عدم موجودگی میں ان کی طرف سے پڑھا گیا۔ یہ بیان سارے مسئلہ فلسطین پر ایک نہایت اہم تبصرہ ہے۔[2] ان بیانات کے علاوہ اقبال کی شاعری میں فلسطین سے متعلق متعدد افکار اور اشارے موجود ہیں۔ ''ذوق و شوق'' جو ان کی بہترین شاعری کا ایک نمونہ ہے (بالِ جبریل) فلسطین میں لکھی گئی۔ ''ضربِ کلیم'' میں شام و فلسطین کے موضوع پر اقبال نے براہِ راست اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ''دامِ تہذیب'' کے آخری دو شعر ہیں :

جلتا ہے مگر شام و فلسطیں پہ مرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ دشوار
ترکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار[3]

''شام و فلسطین'' کے عنوان سے جو نظم ہے اس کا ایک شعر ہے :

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق[4]
ہسپانیہ پر کیوں نہیں حق اہلِ عرب کا

۱- حرفِ اقبال ، لاہور ، المنار اکادمی ، ۱۹۴۵ع ، ص ۱۸۷-۱۸۹ -
۲- ایضاً ، ص ۲۳۹-۲۴۳ -
۳- ایضاً ، ص ۱۳۱ -
۴- ایضاً ، ص ۱۳۵ -

''فلسطینی عرب سے'' کی نظم کا ایک شعر بھی قابلِ ذکر ہے :

تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں[1]
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

اسی طرح ''یورپ اور سوریا'' میں شام اور فلسطین کا تاریخی المیہ بیان کر دیا ہے :

فرنگیوں کو عطا خاکِ سوریا نے کیا
نبیٔ عفّت و غمخواری و کم آزاری
صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری[2]

۵- اقبال سمجھتے تھے کہ اردو کی تحریک سے مسلمانوں کا مستقبل وابستہ ہے ۔ وحدتِ لسانی اور احیائے ملّت کا باہمی تعلق محتاجِ بیان نہیں ۔ یہ ہندی اردو کا جھگڑا تھا جس نے سید احمد خاں کے دل و دماغ کو متاثر کیا اور اسی تنازعے سے مسلمانوں کی سیاسی علاحدگی کا آغاز ہوا ۔ اردو پاکستان کی قومی زبان کی حیثیت سے پورا پورا استحکام حاصل کرلے تو اس سے قومی وحدت کی بنیاد مستحکم ہو سکتی ہے ۔ اقبال کا یہ کہنا صحیح ہے کہ مولوی عبدالحق کی اردو کی تحریک بہت سے اعتبار سے سید احمد خاں کی تعلیمی اور ملّی تحریک سے کم نہیں ۔ ویسے بھی ، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ، انجمن ترقی اردو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہی کے ایک شعبے کی حیثیت سے شروع ہوئی ۔

٦- ''والسّلام'' ۔ ملاحظہ ہو خط نمبر ۱ کا نوٹ نمبر ۴ ۔

مکتوبِ سوم :

۱- اس خط کے سرنامے پر ''اقبال نامہ'' میں تاریخ "۲۸ اپریل ۳۷" لکھی ہے ۔ اصل خط میں "۲۸ اپریل ۱۹۳۷ع" ہے ، یعنی سال پورا لکھا گیا ہے ۔

۱- ضربِ کلیم ، محولہ بالا ، ص ۱۳۸
۲- ایضاً ، ص ۱۲٦ ۔

۲- ''والانامہ بمع روئداد'' میں ''بمع'' محلِ نظر ہے ، مگر یہ خط اقبال کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے اس لیے اس غلطی کو اقبال کے سر نہیں تھوپا جا سکتا ۔ انھوں نے مکتوب اول میں جو خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ، ''مع لکھا ہے ۔ کانفرنس کی روئداد ضمیمے کے طور پر اِس کتاب میں شامل کی گئی ہے ۔

۳- انجمن کی رجسٹری ہندوستان میں کرائی گئی تھی ۔ افسوس ہےاس دستاویز کی نقل پاکستان میں نہیں مل سکی ۔

۴- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن کے دفتر کی دہلی میں منتقلی اقبال کے مشورے سے ہوئی ۔

۵- ''اقبال نامہ'' میں ''آپ کے حالات اجازت دیتے ہیں یا نہیں'' ۔ اصل متن میں ''آپ کے حالات ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں'' ہے ۔ نقل کرتے وقت ''ایسا کرنے کی'' محذوف ہوگیا ۔ اسی طرح اگلے ایک فقرے میں ''اقبال نامہ'' کے مطابق ''افسوس کہ ایک تو علالت پیچھا نہیں چھوڑتی'' ہے مگر اصل متن میں ''کہ'' کی بجائے صرف ایک استعجابیہ نشان دیا گیا ہے ۔

۶- مولوی صاحب کے ساتھ مل کر اردو کی خدمت کے لیے باقی ماندہ زندگی وقف کرنے کی خواہش اقبال کے اس جذبۂ محبت کا اظہار ہے جو اردو زبان کے لیے ان کے دل میں تھا ۔

مکتوبِ چہارم :

۱- اقبال اور سر راس مسعود کے باہمی تعلقات پر اُن خطوط سے روشنی پڑتی ہے جو شیخ عطاء اللہ کے مرتّب کردہ ''اقبال نامہ'' حصہ اول ص ۳۵۱ سے ص ۳۹۵ تک چھپے ہوئے ہیں ۔ یہ خط سر راس مسعود اور لیڈی مسعود کے نام ہیں ۔ مزید تفصیلات کے لیے صہبا لکھنوی کی محققانہ تصنیف ''اقبال اور بھوپال'' ملاحظہ ہو ۔ مرثیہ ''ارمغانِ حجاز'' میں شامل ہے[1] ۔

۱- ارمغانِ حجاز ، لاہور ، ۱۹۳۸ع ، طبع اول ، ص ۲۴۲ ۔

۲- اقبال کا یہ احساس ان کی بہت سی نظموں میں جھلکتا ہے - ان کی ابتدائی شاعری کے چند نمونے قابلِ ذکر ہیں :

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں[1]

جہازِ زندگیِ آدمی رواں ہے یوں ہی
ابد کے بحر میں پیدا یوں ہی نہاں ہے یوں ہی
شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے ، لیکن فنا نہیں ہوتا[2]

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے[3]

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی[4]

اقبال نے راقم الحروف سے بھی ایک دفعہ گفتگو کے دوران میں فرمایا تھا کہ موت کا کوئی وجود نہیں ہے -

اپنی شاعری کے متعلق ''اردو زبان پنجاب میں'' میں اقبال نے فرمایا ہے کہ ''میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ بسا اوقات میرے قلب کی کیفیت اِس قسم کی ہوتی ہے کہ میں باوجود اپنی بے علمی اور کم مائگی کے شعر کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں''[5] یہاں اس دلی کیفیت کی طرف بھی اشارہ ہے -

---

۱- بانگِ درا ، ''فلسفۂ غم'' -
۲- بانگِ درا ، ''کنارِ راوی'' -
۳- بانگِ درا ، ''والدۂ مرحومہ کی یاد میں'' -
۴- بانگِ درا ، ''ہمایوں'' -
۵- تاج ، تصدق حسین : ''مضامینِ اقبال'' ، حیدر آباد دکن ، ۱۳۶۲ھ ، ص ۸ -

۳- اسی طرح دوسرے پیراگراف میں ''اقبال نامہ'' میں ''کچھ دنوں بعد ایک اور خط لکھوں گا'' ہے مگر اصل متن میں ''کچھ دنوں کے بعد . . . '' ہے ۔ آخری پیراگراف میں جو ''مکرر آں کہ'' کی قبیل سے ہے ''اقبال نامہ'' کی عبارت ہے : ''ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے ۔'' اصل متن میں آخر کا ''ہے'' غائب ہے ۔ وہ کون بزرگ تھے جنھوں نے لفظم کا بند الٹا لکھ دیا ، یہ معلوم نہیں ہو سکا ۔ نہ ہی نظم کا اصل مسودہ مل سکا ہے ۔

۴- سر اکبر حیدری کے متعلق ملاحظہ ہو مکتوب اول ، نوٹ ۱۱ ۔

۵- ضعفِ بصارت ۔ اقبال کی ایک آنکھ تو شروع ہی سے کمزور تھی ۔ دوسری آنکھ ان کے مرض الموت میں خراب ہونی شروع ہوئی مگر اس حالت میں بھی کسی نے انھیں اس وجہ سے دل شکستہ نہیں پایا ۔ بلکہ ایک دفعہ جب ان کے ایک ملاقاتی نے اس ضعفِ بصارت پر ان سے ہمدردی کا اظہار کیا تو انھوں نے فرمایا کہ دیکھیے عجیب بات ہے جب سے میری نظر کمزور ہونی شروع ہوئی ہے ، میرا حافظہ بہت بہتر ہو گیا ہے ۔

مکتوبِ پنجم :

۱- اس خط کے اصل متن اور ''اقبال نامہ'' کے مطبوعہ متن میں چند اختلافات ہیں :

''اقبال نامہ'' میں ''مگر آپ سے زیادہ اس بات کو کون سمجھ سکتا ہے ۔'' صحیح چھپا ہے ۔ مگر اصل میں ''آپ سے زیادہ'' دو دفعہ لکھا گیا ہے ، یہ سہوِ کاتب ہے ۔

''زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشو و نما پاتی ہیں'' ۔ یہ فقرہ ''اقبال نامہ'' میں صحیح چھپا ہے مگر اصل متن میں ''نشو و نما'' کی ''و'' سہوِ کاتب کی وجہ سے محذوف ہے ۔

اس خط کا دوسرا پیراگراف ''اقبال نامہ'' میں سراسر محذوف ہے ۔ یہ حذف شدہ پیراگراف مکتوب اول کے نوٹ نمبر ۱۱ میں نقل کیا جا چکا ہے ۔

''والسلام'' اصل متن میں ''وسلام'' لکھا گیا ہے ۔

''نئے نئے خیالات و جذبات ادا کر سکنے پر ان کے بقا کا انحصار ہے'' ۔ یہ فقرہ ''اقبال نامہ'' اور اصل متن میں اسی طرح ہے ۔ مگر اس میں ''بقا'' سے پہلے ''کے'' کا استعمال سہو ِ کاتب ہے ۔ ''بقا'' مونث ہے ، اس کے لیے ''کی'' آنا چاہیے تھا ۔

۲- زبانوں کے فروغ اور ارتقا کے متعلق اقبال کا یہ فقرہ ایک کلاسیکی حیثیت رکھتا ہے ۔ اردو کی تاریخ میں ایک پورا دور ایسا گزرا ہے جب محاورے اور روزمرہ نے صحت ِ زبان کی جگہ لے لی اور اردو کی نظم و نثر لفظوں کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئی ۔ سید احمد خاں کی تحریک نے جہاں مسلمانوں کو ایک نئی حیات ِ ملّی کا راستہ دکھایا ، وہاں اردو کو بھی اس مخمصے سے نجات دی ۔ اگرچہ ان سے پہلے شمس الامرا ، شاہان ِ اودھ اور دہلی کالج نے اس سلسلے میں قابل ِ قدر خدمات انجام دی ہیں ۔ مگر اردو کو اٹھارھویں صدی سے نکال کر بیسویں صدی میں لے آنے کا سہرا سید احمد خاں ہی کے سر ہے ۔ یہ سید ہی کی تحریک تھی جس نے ''مخزن'' سا عہد ساز رسالہ پیدا کیا ۔

۳- یہاں علی گڑھ کانفرنس اور اس کی قراردادوں کی طرف اشارہ ہے ۔

۴- پنجاب کا سب سے بڑا ثقافتی افتخار غالباً یہی ہے کہ ایک تو سید احمد خاں نے پنجاب کے لوگوں کو ''زندہ دلان ِ پنجاب'' کہا اور دوسرے یہ کہ پنجاب نے اردو کی خدمت دوسروں سے زیادہ کی ۔

مکتوب ِ ششم :

۱- دعوت کے سلسلے میں مولوی عبدالحق کے نام قائد اعظم کے خط کا ذکر پہلے آ چکا ہے ۔ اقبال کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے لکھنو جانے اور کانفرنس میں شریک ہونے کے سلسلے میں اقبال کا مشورہ بلکہ اصرار (''اس سفر کی زحمت ضرور گوارا فرمائیے'') اہمیت رکھتا تھا ۔

۲- یہ رجسٹرڈ خط ۹ ستمبر ، ۱۹۳۷ع والا ہی خط ہے ، یعنی مکتوب پنجم ۔ اس سارے معاملے کا ذکر مکتوب ِ اول کے نوٹ نمبر ۱۱ میں آ چکا ہے ۔

۳- ''اقبال نامہ'' میں آخری فقرہ یوں ہے : ''امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔'' اصل متن میں ''امید ہے'' کے الفاظ ہیں ۔
۴- ''والسلام'' ۔ ملاحظہ ہو مکتوب اول ، نوٹ نمبر ۴ ۔

مکتوبِ ہفتم :

۱- اصل متن میں خط کا دوسرا فقرہ یوں ہے : ''الہ آباد یونی ورسٹی نے آپ کی قدر شناسی کر کے اہلِ ہنر کی نگاہوں میں مستحقِ مبارک باد کر لیا ہے ۔'' ''اقبال نامہ'' کے مرتّب نے ''مستحق'' سے پہلے ''خود کو'' کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے جو درست ہے ۔ اصل متن میں سہوِ کاتب ہے ۔

اصل متن میں خط کا آخری سے پہلا فقرہ یوں ہے : ''میں الہ آباد یونی ورسٹی کو بھی ان کی نکتہ شناسی پر مبارک باد دیتا ہوں'' ۔ ''اقبال نامہ'' میں لفظ ''بھی'' محذوف ہے ۔ ''والسلام'' کے لیے ملاحظہ ہو مکتوبِ اول ، نوٹ نمبر ۴ ۔

۲- اس میں شک نہیں کہ الہ آباد یونی ورسٹی نے مولوی صاحب کو ڈی لٹ اور علی گڑھ نے پی ایچ ۔ ڈی ۔ کی اعزازی ڈگریاں دے کر خود اپنی ہی عزت کی ۔ مگر اس خط سے اقبال اور عبدالحق کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے ۔ خصوصاً اُس عقیدت پر جو اقبال کو مولوی صاحب کی ذات سے تھی ۔ اس سلسلے میں مکتوب اول کا نوٹ ۱۲ بھی ملاحظہ ہو ۔

مکتوبِ ہشتم :

۱- مولوی صاحب کے نام یہ اقبال کا آخری خط ہے جو ہم تک پہنچا ہے ۔ اس کا پس منظر خود نیازی صاحب نے ''اقبال کے حضور'' میں ۱۵ مارچ ۱۹۳۸ع کی نشست کے سلسلے میں واضح کیا ہے :

> ''اتنے میں اخبار آ گیا ۔ حضرتِ علامہ کے ارشاد پر موٹی موٹی سرخیاں پڑھ کر سنائیں ۔ علی بخش نے دوا اور ناشتے کا اہتمام کیا ۔ حضرت علامہ ناشتہ کر رہے تھے کہ معلوم نہیں کیا خیال آیا ، فرمایا : ''سارٹن کا ترجمہ کہاں تک پہنچا ؟''
> میں نے عرض کیا : ''چند ابواب باقی رہ گئے ہیں ۔''
> ارشاد ہوا ''کیوں ؟''

میں نے عرض کیا ''پچھلے چند سالوں سے جو حالات ہیں آپ کو معلوم ہیں ۔ جب سے دہلی سے آیا ہوں ، موقع ہی نہیں ملا کہ ترجمے کی تکمیل کرتا ۔ کچھ مشکلات بھی ہیں ۔'' فرمایا ''حالات کا عذر تو خیر ٹھیک ہے ، مشکلات کیا ہیں ؟''

عرض کیا : ''بعض اسما کی تحقیق ، عربی اور لاطینی عنوانات میں تطبیق کا مسئلہ ، چند ایک یونانی اور لاطینی عبارتوں کا ترجمہ اور سب سے بڑھ کر اُردو کے حسبِ مزاج مناسب مصطلحات کی تلاش ، علیٰ ھذا کئی ایک انگریزی الفاظ کے باعتبار لغت اُردو مترادفات ۔ اس کے علاوہ بھی کئی دشواریاں ہیں ۔ مثلاً ریاضی بالخصوص جبر و مقابلہ کی رقوم کہ ان کی تحریر کے لیے کیا اصول اختیار کیا جائے ۔''

فرمایا : ''یہ کام تو خاصا محنت طلب ہے اور یہاں وہ سہولتیں بھی میسّر نہیں جو مغربی ممالک میں اس قسم کے کاموں کے لیے بآسانی مل جاتی ہیں ۔ مگر اب جو اس کام میں ہاتھ ڈال چکے ہو تو اس کی تکمیل کردو ۔''

میں نے عرض کیا : ''مولوی صاحب اکثر مالی دشواریوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ کتاب بڑی ضخیم ہے اور اس کی طباعت بھی بڑی دشوار اور محنت طلب ۔ خرچ بھی کافی ہوگا ۔ اگر ان کا ارادہ اس کی فوری اشاعت کا نہ ہو تو چندے اور مہلت دیں ۔ ان شاء اللہ چار چھ مہینے میں تکمیل ہو جائے گی ۔''

ارشاد ہوا : ''بہتر ہے ، میری طرف سے مولوی صاحب کو خط لکھ دو'' ۔ میں نے خط لکھا ۔ حضرتِ علامہ نے خط سنا اور دستخط فرمائے ۔ میں کاغذ ، قلم دان ایک طرف رکھ کر پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھا ۔''

جارج سارٹن کی کتاب ''انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس'' جو کارنیگی انسٹی ٹیوٹ آف واشنگٹن کے سلسلۂ مطبوعات کا شمارہ ۳۷۶ ہے ، سب سے پہلے ۱۹۲۷ع میں چھپی ۔ نذیر نیازی کا ترجمہ ۱۹۵۷ع میں مجلس ترقی ادب لاہور کی طرف سے چھپا ۔ نذیر نیازی کا مقدمہ اور حواشی عالمانہ اور بصیرت افروز ہیں ۔ مگر انہوں نے مقدمے میں اس ترجمے سے

اقبال کی دل چسپی کا ذکر نہیں کیا ۔

سارٹن کی کتاب اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں سائنس کے منہاج اور سائنسی علوم کی تدریجی ترقی پر ایک نظر ڈالنے کے علاوہ مسلمانوں کے علمی کارناموں کا بھی ایک حد تک اعتراف کیا گیا ہے ۔ مصنّف کا نقطۂ نگاہ یورپ کی تنگ نظری اور تعصّب سے پاک نہیں ہے ۔ اس کی نظر باربار یونان و روما کی مفروضہ علمی برتری اور اولیت میں الجھتی ہے ۔ جہاں مسلمانوں کے کام کی داد دیتا ہے ، وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجبور سا ہو گیا ہے ۔ نذیر نیازی نے سارٹن کے اندازِ فکر کا گہرا تجزیہ کیا ہے ۔ کیا اچھا ہوتا کہ ان کا مقدمہ انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں میں ترجمہ ہو کر یورپ میں بھی چھپتا ۔

اقبال کو اُردو ترجموں سے جو انہاک تھا ، وہ نذیر نیازی کے کیے ہوئے اقبال کے چھ لیکچروں کے ترجمے سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' کے نام سے بزم اقبال ، لاہور کی طرف سے ۱۹۵۸ع میں چھپا ۔ جیسا کہ نذیر نیازی نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے ، اس ترجمے پر اقبال نے ، جب تک ان کی صحت نے اجازت دی ، خود نظر ثانی فرمائی اور بیش قیمت مشورے دیے ۔

۲۔ اصل خط اور ''انوار اقبال'' (اقبال اکادمی ، ۱۹۶۷ع ، ص ۲۲۴) کے مطبوعہ متن میں تین جگہ اختلاف ہے ۔

مطبوعہ متن میں ''گذشتہ چار پانچ برس'' چھپا ہے ۔ اصل میں ''گذشتہ پانچ چار برس'' ہے ۔

مطبوعہ متن میں ''پہنچنا'' کا املا ''و'' کے ساتھ یعنی ''پہونچنا'' ہے ۔ اصل خط میں یہ لفظ بغیر ''و'' کے لکھا گیا ہے ۔

''والسلام'' مطبوعہ متن میں خط کا آخری لفظ ہے ۔ اصل میں صرف ایک لکیر ہے ۔ ملاحظہ ہو مکتوب اول کا نوٹ نمبر ۴ ۔

☆ ☆ ☆

ضمیمے

۱۔ علامہ اقبال سے متعلق مندرجہ ذیل کتب پر مولوی عبدالحق کے تبصرے :

- بانگِ درا ۔
- اقبال (از مولوی احمد دین وکیل) ۔
- کلیات اقبال ۔

۲۔ اپریل ۱۹۵۰ کے یومِ اقبال پر کراچی میں مولوی عبدالحق کی تقریر ۔

۳۔ اپریل ۱۹۵۳ کو یومِ اقبال کے موقع پر مولوی عبدالحق کی نشری تقریر ۔

۴۔ تصانیف مولوی عبدالحق (فہرست) ۔

۵۔ سہ ماہی اُردو میں اقبال کے بارے میں شائع شدہ مضامین کی فہرست ۔

۶۔ سہ ماہی اُردو میں اقبال کی اور اقبال سے متعلق کتب پر تبصرے (فہرست) ۔

۷۔ روداد اُردو کانفرنس (علی گڑھ) ۔

۸۔ نامۂ سرتیج بہادر سپرو ۔

۹۔ کتابیات ۔

۱۔ تبصرے

علامہ اقبال کی اپنی اور علامہ پر لکھی جانے والی کتب پر بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے تبصرے

۱۔ بانگِ درا :

اقبال اِس وقت اُردو کے سب سے مقبول اور اعلیٰ شاعر ہیں ۔ ان کا کلام اب تک متفرّق تھا اور ایک جا جمع ہو کر شائع نہیں ہوا تھا ۔ ان کے کلام کے دلدادہ اس سے مطمئن نہ تھے اور ایک مدت سے منتظر اور مشتاق تھے کہ سارا مجموعہ کتاب کی صورت میں شائع ہو جائے ۔ کس قدر مسرّت کی بات ہے کہ وہ آب دار موتی جو اب تک بکھرے ہوئے تھے ، ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہمارے سامنے موجود ہیں ، جن کی جوت سے آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے ۔

کتاب کھولتے ہی پہلی نظم جس پر نظر پڑتی ہے ، ''ہمالہ'' ہے ۔ کوہِ ہمالہ ہندوستان کی شوکت و شان کا نشان اور اس کے حفظ و امن کا پاسبان ہے ۔ ہندوستان کا بچہ بچہ اسے جانتا ہے ، اور اس پر فخر کرتا ہے ۔ جس شاعری کی ابتدا ''کوہِ ہمالہ'' ہو اس کی انتہا کیا ہوگی ۔ میں اقبال کے لیے اس میں نیک شگون پاتا ہوں ۔ وہ محاسن جو بعد میں ہم نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اقبال کے کلام میں نکالے ، ان سب کے بیج اس نظم میں نظر آتے ہیں ۔ تخّیل ، تشبیہات ،

بندش اور خیالات، سب آئندہ کی غمّازی کر رہے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی بات جو ہم اس میں دیکھتے ہیں اور جو اپنا پیغام دلوں تک پہنچاتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں حبِ وطن کی بو آتی ہے، اور جوں جوں ہم آگے بڑھتے ہیں اس کی مہک بھی بڑھتی جاتی ہے۔ چند ہی صفحوں کے بعد، ''صدائے دل'' کے عنوان سے ایک چھوٹی سی نظم ہے۔ شاعر دردِ دل سے چیخ اٹھتا ہے اور اپنے ملک کی بدنصیبی پر آنسو بہاتا ہے:

جل رہا ہوں، کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا، یاں تو اک قربِ فراق آمیز ہے
بدلے یکرنگی کے یہ ناآشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب
جس کے پھولوں میں اخوّت کی ہوا آئی نہیں
اس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

اس کے نیچے ہی ہندوؤں کے مقدس منتر گایتری کا ترجمہ ہے جو اس قدر پاک خیال کیا جاتا ہے کہ غیر برہمن کے کان میں اس کی آواز تک پہنچنا ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ گویا جس اخوّت کی انھیں تلاش تھی اس کے لیے پھولوں کا ایک ہار گوندھا ہے۔ چند نظموں کے بعد سیّد کی لوحِ تربت ہے جس پر یہ ہدایت درج ہے:

وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں

وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ! کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے

اس سے ذرا آگے ایک اور نظم "تصویرِ درد" آتی ہے ، جو درحقیقت بے مثل اور سراپا درد ہے ، اور شاعر نے دل کھول کے اپنے وطن کا مرثیہ پڑھا ہے :

رُلاتا ہے ترا نظّارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلکِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں!
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغ بانوں میں
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ، ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں ؟
یہ خاموشی کہاں تک ؟ لذّتِ فریاد پیدا کر !
زمیں پر تو ہو ، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے ، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن ، محبوبِ فطرت ہے

اسی نظم کے ایک بند میں کس حسرت سے یہ شعر کہا ہے :

بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

اور کیا خوب کہا ہے :

جو تُو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبّت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تُو رہنا !
نہ رہ اپنوں سے بے پروا ، اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں ، او بیگانہ خُو ! رہنا

اسی نظم میں ایک شعر ہے جو ملک کی اِس وقت کی حالت کا صحیح نقشہ ہے :

تعصّب چھوڑ ناداں ! دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تُو نے

چند ہی ورق اُلٹنے کے بعد "ترانۂ ہندی" آتا ہے جسے وہ مقبولیت حاصل ہوئی جو شاید ہی کسی دوسری نظم کو ہوئی ہو ۔ اور قومی گیت کی حیثیت سے چھوٹے بڑے ، عام و خاص ، عالم و جاہل سب کی زبان پر جاری ہے ۔ اس کا ایک ایک لفظ حبِّ وطن میں ڈوبا ہوا ہے ۔

اس کے بعد ہی "ہندوستانی بچّوں کا قومی گیت" ہے جو وطن کی محبّت کا راگ ہے اور جس کا پانچواں مصرع یہ ہے :

"میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے"

یہ گیت ختم ہوتے ہی ایک اور نظم آتی ہے جس کا نام "نیا شوالہ"

ہے - یہ شاعر کے اِنتہائے کمال کا نمونہ ہے - اس کے ہر شعر میں حبِّ وطن کی آگ بھری ہوئی ہے - یہ وہ نظم ہے جو ہر انجمن اور ہر کانگریس کے ہال میں سونے کے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے - اور ان کے اسٹیجوں پر بجائے بدنما کرسیوں اور میزوں اور مہمل اور بے معنی آرائش کے ''نیا شوالہ'' کی تعمیر ہونی چاہیے ، جہاں ہر پرستارِ وطن کا سرجھک جائے ، اور پھر یہیں سے عالمگیر محبت اور اتحاد کی بنیاد قائم ہو - اس نور کی جھلک ہر مذہب میں پائی جاتی ہے لیکن اس کی تکمیل کسی نے نہیں کی - ہر زمانے میں ایسے پاک نفس اور حق پرست لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اتحّاد و محبّت کا بیج بونا چاہا لیکن ان کی کوششیں ٹھٹھر کر ایک فرقے میں محدود رہ گئیں - شاعر ان تمام فرقہ سازیوں اور فرقہ بازیوں کو مٹانا چاہتا ہے - ہر انسان جو تعصّبات اور روایات کے گرد و غبار سے الگ ہو کر انصاف کے ساتھ غور کرے گا تو اسے وہ حقیقت نظر آئے گی جہاں شاعر کی نظر پہنچی ہے - لیکن تعصّبات پھر غالب آ جاتے ہیں اور آئینۂ دل کو مکدّر کر دیتے ہیں - میں یہ نہیں کہتا کہ جہاں شاعر پہنچا ہے وہاں تک کوئی اور نہیں پہنچا - بے شک بعض لوگ وہاں تک پہنچے ہوں گے لیکن انھیں اظہارِ حق کی توفیق نہیں ہوئی - اقبال نے اس حقیقت کو بلا خوفِ ملامت ظاہر کر دیا - لیکن اس پر قائم رہنا اس سے بھی زیادہ دشوار ہے - ہم اِس وقت جو جتن ملک میں محبت و اتحاد قائم کرنے کے لیے کر رہے ہیں وہ سب اوپری اور عارضی ہیں ، حقیقت سے دور اور حق سے ناآشنا ہیں - وحدانیت اور اتحاد کا راز نئے شوالے میں ہے -

نئے شوالے کے ساتھ ہی اقبال کی شاعری کا پہلا دور ختم ہوتا

ہے ۔ اس دور کا نام میں نے ''حبِّ وطن'' رکھا ہے ۔ دوسرے دور کا آغاز اِس مجموعے کے دوسرے حصے سے ہوتا ہے جسے میں نے ''حبِّ ملت'' کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ اس کی ابتدا ۱۹۰۵ع سے ہوتی ہے ۔ یہ وہ زمانہ ہے جب وہ انگلستان تشریف لے گئے ہیں ۔ انگلستان ہمارے نوجوانوں کی کسوٹی ہے ۔ ان کے اصل جوہر وہاں جا کر کھلتے ہیں ۔ ان کے لیے وہ ایک نیا عالم ہوتا ہے ۔ جدید تمدّن کی روشنی بعض اوقات ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے ۔ کچھ دنوں کے بعد جب سنبھلتے ہیں تو اپنے امتحانات کے دھندے میں لگ جاتے ہیں اور اس سے جو وقت بچتا ہے وہ نئی لطف اندوزیوں میں بسر ہو جاتا ہے ۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں وطن کی لَو لگی ہوتی ہے ۔ وہ طرح طرح کے منصوبے گھڑتے اور وطن کی خدمت کے لیے نئے نئے خیالات سوچتے ہیں ۔ بعض تو نہر سویز تک پہنچتے پہنچتے دھیمے پڑ جاتے ہیں ، اور کچھ جو ثابت قدم رہتے ہیں ، شروع شروع میں یہاں آ کر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں لیکن وہ چنگاری جو سات سمندر طے کر کے سلگتی ہوئی آئی تھی ، گرد و پیش کے حالات اور صحبتوں کی وجہ سے رفتہ رفتہ بجھ کے خاک ہو جاتی ہے ۔ البتہ اِکاّ دکاّ ایسا نکل آتا ہے جو باجود موانعات کے کام کرتا رہتا ہے اور کچھ کر گزرتا ہے ۔ گو کہنے کو وہ امتحان کے لیے انگلستان جاتے ہیں لیکن اصل امتحان ان کا ہندوستان میں ہوتا ہے جس میں اکثر ہیٹے نکلتے ہیں ۔ اس کا دوش تنہا انھی پر نہیں ۔ بلکہ ہمارے ملک کی حالت ، تعلیم کا طریقہ ، گھروں کی صحبت ، انتخاب کی غلطی ، اور اسی قسم کے اور اسباب بھی اس کے ذمہ‌دار ہیں ۔ اور ان کو الزام دینا ہی غلطی ہے ۔ وہ نہ اِس خیال سے جاتے ہیں اور نہ اِن خیالات کو لے کر آتے ہیں ۔

وہ جس غرض سے جاتے ہیں ، اسے کچھ نہ کچھ حاصل کر ہی لیتے ہیں ۔ لیکن اقبال کا جانا اُس عام گلّے کا سا جانا نہ تھا جو ہر سال یہاں سے جہاز بھر کر دیارِ مغرب کو جاتا ہے ۔ وہ ایسے وقت گئے جب کہ ان کی طبیعت اور سیرت میں پختگی آ چکی تھی ۔ ملک کی حالت سے واقف اور زمانے کے تیور پہچان چکے تھے ۔ دل میں حبِّ وطن کی لَو لگی ہوئی تھی ۔ ملک میں ان کا کلام مقبول ہو چکا تھا ، اور اقبال کا ترانہ اور وطن کے گیت دیس کے گلی کوچوں میں گائے جا رہے تھے ۔ یورپ میں ان کی آنکھوں نے کیا کیا تماشے دیکھے ، کیا کیا خیالات دل میں موج زن ہوئے ، کیسے کیسے منصوبے سوچے ، کیا کیا سامان اپنے ملک کے لیے جمع کیے ، کیسے کیسے ارادے تھے جو دل ہی دل میں رہ گئے ۔ یادِ وطن نے کس کس طرح بے قرار کیا اور اپنی قوم کی پستی کو دیکھ کر دل پر کیا کیا صدمے گزرے اور اس کے ابھارنے کے لیے کیا کیا ولولے پیدا ہوئے ؟ ان کا جواب یا تو وہ خود دے سکتے ہیں یا ان کا کوئی رازدار دوست ۔ لیکن اس زمانے کے کلام کے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نئے مشاہدات اور خیالات نے ان کے دل میں ایک جوش تلاطم پیدا کر رکھا ہے جس کے اظہار کے لیے وہ بے تاب اور مجبور ہیں ۔ اِن خیالات کو اُنھوں نے اُس نظم میں موزوں کیا ہے جو ''شیخ عبدالقادر کے نام'' ہے ، جو یورپ میں ان کے ہم‌سفر ، ہم مشرب ، ہم راز تھے ۔ یہ گویا ان کی آیندہ زندگی کا پروگرام ہے ، جس پر وہ خود عامل ہونا چاہتے ہیں ، اور دوسروں کو عمل کرنے کی ہدایت کرتے ہیں ۔ اس خط کے یہ دو شعر ان

کے دردِ دل کو ظاہر کرتے ہیں :

گرم رکھتا تھا ہمیں سردیٔ مغرب میں جو داغ
چیر کر سینہ اسے وقفِ تماشا کر دیں
شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں ، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

انگلستان کے قیام کے زمانے اور اس کے بعد کے کلام سے دو باتیں خاص طور پر معلوم ہوتی ہیں ، جنھوں نے ان کے خیالات میں انقلاب پیدا کیا ہے ۔ ایک تو یہ کہ یورپ کے جدید تمدّن کا طلسم ان کی نظروں میں مکڑی کے جالے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ، جو محض خود غرضی اور خود پرستی پر مبنی ہے ، اور بنی نوع انسان کے حق میں سمّ قاتل ہے ۔ اس پر انھوں نے بڑی کاری ضربیں لگائی ہیں ۔ ان کے یہ شعر مشہور اور زباں زدِ خاص و عام ہو گئے ہیں :

دیارِ مغرب کے رہنے والو ! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنےگا ، ناپائدار ہوگا

دوسرے وہ یورپ کی وطنیت اور قومیت سے ، جس کا اثر تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے اور دنیا کے دوسرے ممالک پر بھی پھیلتا جاتا ہے ، سخت بیزار ہیں ۔ وہ اس تنگ نظری اور خودغرضی کو دنیا کے لیے باعثِ ہلاکت اور موجبِ آفت خیال کرتے ہیں ۔ چناں چہ یورپ کی جنگِ عظیم سے جو بربادی یورپ اور عام طور پر دنیا پر نازل ہوئی ، یہ اس کا بدیہی ثبوت ہے ۔ اس بیزاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلامی اخوّت و مساوات کی طرف مائل ہوتے ہیں ، اور یورپ کی

معاشرتی اور معاشی اور سیاسی زندگی ، جو بے روح اور صداقت سے خالی ہے ، انھیں اس عقیدے پر اور مستحکم کر دیتی ہے ۔ اس طوفانِ سرمایہ داری و استبداد میں انھیں ایک ہی روشنی نظر آتی ہے جو دنیا کو نجات دے سکتی ہے اور جو جغرافیائی حدود اور نسل و رنگ کے قیود سے بالا ہے :

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بِنا ہمارے حصارِ ملّت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

اسی خیال کو دوسرے انداز سے بیان کرتے ہیں :

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی

اور اسی وجہ سے وہ ہندوستان کی ان کوششوں کو ، جو ملک کے محبّ وطن اتحاد پیدا کرنے کے لیے کر رہے ہیں ، مسلمانوں کے حق میں ایسی ہی ہیچ و پوچ سمجھتے ہیں جیسے مجلسِ اقوام (لیگ آف نیشنز) کی کوششیں اتحادِ عالم کے لیے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آذری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا

اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ''ترانۂ ہندی'' کے جواب میں ''ترانۂ ملّی'' لکھ کر اس کے اثر کو کم کرنا چاہا جو ان کے اختیار سے باہر تھا ۔ اس کے بعد وطنیت کی نظم میں کھلم کھلا اپنے عقیدے کا اعلان کر دیا ہے اور مسلمانوں کو اس تازہ آفت سے بچنے کی ہدایت کی ہے کہ وطن پرستی بھی بت پرستی ہے :

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اس کے بعد کہتے ہیں :

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوّت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے ، تُو مصطفوی ہے
نظّارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی ! خاک میں اس بت کو ملا دے

ہے قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی !
ہے ترکِ وطن سنّتِ محبوبِ الٰہیؐ
دے تو بھی نبوّت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیّتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

وہ ان خیالات کو بار بار اس سے زیادہ جوش اور حسن کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس سیاسی وطن کو اصولِ اسلام کے خلاف

بتاتے ہیں ۔ ان کی نظروں میں قرونِ اولیٰ کا سماں سمایا ہوا ہے ۔ وہ وہی سادگی ، حمیّت ، ایثار اور اخوّت چاہتے ہیں ۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلم اپنی قدر اور اسلام کی حقیقت سمجھے ۔ وہ فخرِ کائنات ہے ، اور یہ زمانہ جو صداقت سے بیگانہ ہے ، اُن اصول کا منتظر ہے جو اسلام کی تعلیم میں پنہاں ہیں :

دہر میں غارت گرِ باطل پرستی میں ہؤا
حق تو یہ ہے حافظِ ناموسِ ہستی میں ہؤا
میری ہستی پیرہن عریانیٔ عالم کی ہے
میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے

وہ نصاریٰ وضع اور ہنود سیرت مسلمان کو مسلمان نہیں سمجھتے ۔ وہ مغربی تہذیب اور اس کی رعنائیوں میں منافقت اور خود فروشی ، اس کی جمہوریت میں استبداد ، اس کے آئین میں قیصریت دیکھتے ہیں ۔ اشاعتِ تعلیم و تہذیب کے دعوے ، صلاح و تنظیم کی مجلسیں ، حقوق و مراعات کی قرار دادیں ، دھوکے کی ٹٹیاں ہیں ، جن کی آڑ میں مغرب کا فرماں روا اقوامِ عالم کا شکار کھیلتا ہے ۔ لیکن یہ سب تدبیریں اور حکمتیں ناپائیدار ہیں ، عنقریب مٹنے والی ہیں ۔ دنیا بہت جلد ان سے تنگ آ جائے گی اور بری طرح انتقام لے گی ۔ اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اس رمز کو سمجھ جائیں ۔ آنے والے دن کے لیے ابھی سے تیار ہو جائیں ۔ ان میں پھر وہی پہلی سی اسلامی حرارت پیدا ہو ، وہی عزم اور ولولے ہوں ، وہی مساوات اور اخوّت ہو ۔ ان کی منتشر جمعیتیں ایک شیرازے میں بندھ جائیں ، مختلف فرقے اور مختلف اسلامی دولتیں ایک ہو جائیں تاکہ وہ دنیا کی رہنمائی کر سکیں ۔ دنیا اپنی حالت سے بیزار اور اپنے آئین سے تنگ آ گئی ہے ۔

وہ خودکشی پر آمادہ معلوم ہوتی ہے ۔ ایسی حالت میں اگر کوئی آڑے آ سکتا ہے تو اسلام ہے ، کیونکہ دنیا ایسے نظام کی منتظر ہے جو سرمایہ داری سے پاک ہو ، جس میں حاکم و محکوم کا کوئی امتیاز نہ ہو ، جہاں امیر و غریب ایک ہوں ، جس کی تہذیب میں نفسانیت اور تعلیم میں دناءت نہ ہو ۔ جس کا خدا ایک ، جس کا آئین ایک ، جس کا خیال ایک اور جس کا مطمحِ نظر ایک ہو ۔ اور جو شروع سے آخر تک توحید ہی توحید ہو اور کہیں دُوئی کا نام نہ ہو ۔ ایسا نظام سوائے اسلام کے اور کون سا ہو سکتا ہے ۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب کہ اسلام کا بول بالا ہوگا ، دنیا کی اقوام اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گی ۔ اس کی پاک تعلیم سے پرانا ناسور مندمل ہوگا ۔ امن و امان اور اخوّت و مساوات کا دَور ہوگا ۔ اس وقت سچا مسلم اقوامِ عالم کا امام اور اس جہان کا خلیفہ ہوگا ۔ یہ ہے وہ آرزو جو ہمارے شاعر کے دل میں موجزن ہے اور جس پر اس نے اپنے فلسفے اور شاعری کی ساری قوّت صرف کر دی ہے :

ربط و ضبطِ ملّتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بےخبر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
تُرکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گُہر
نسل اگر مسلم کے مذہب پر مقدّم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تُو مانندِ خاکِ رہگزر

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :

یہ نکتہ سرگزشتِ ملّتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

ایک چھوٹی سی نظم ، تین بیتوں کی ، مذہب پر لکھی ہے جو یہ ہے :

اپنی ملّت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی ؐ
ان کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیّت کہاں
اور جمعیّت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی ملّت کی بنیاد نہ وطنیت پر ہے نہ قومیت و نسل پر بلکہ مذہب پر ہے - اس کی قوّت اور اتحاد سیاست یا قانون پر نہیں بلکہ دین پر ہے - مذہب ان کے شیرازۂ اتحّاد کو ، جو اب ڈھیلا پڑ گیا ہے ، مضبوط کرے گا - اسی کی بدولت سب مختلف اور منتشر قوّتیں ایک جا ہوں گی اور اسلامی ملّت ایشیا کی نہیں ، سارے عالم کی رہنما اور امام ہوگی - ایک نئے دور کا آغاز ہوگا اور سرمایہ داری اور استبداد ، سیاست اور رقابت کا خاتمہ ہو جائے گا - یہ ہے اقبال کا خواب جس کی تعبیر پردۂ خفا میں ہے - اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ دوسرے مذاہب یا اقوام سے نفرت کرتا ہے یا ان سے تعصّب رکھتا ہے - نہیں ، بلکہ اس نے رام ، نانک ، سوامی تیرتھ رام پر بھی ایسی ہی سچائی اور جوش سے نظمیں لکھی ہیں ، جیسے اپنے پاک نفس بزرگوں کے لیے - معلوم ہوتا ہے کہ

مدت کے غور و فکر اور تجربے کے بعد اقبال اس نکتے پر پہنچے ہیں کہ دنیا کی اقوام کی یک جہتی کی بنیاد سوائے ملتِ اسلام کے بودی اور خلل پذیر ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ سوائے ملت اسلام کے کسی قوم کو دنیا کی خلافت کا اہل نہیں سمجھتے ۔ انھوں نے جو کچھ اس بارے میں لکھا ہے اس کا ایک ایک لفظ خلوص ، صداقت اور جوش سے بھرا ہوا ہے ۔ وہ عاشق و شیدائے اسلام ہے اور عاشق کو ہر جرم معاف ہے ۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ آخر آخر میں ان کا میلانِ طبع فارسی کی طرف زیادہ ہوتا گیا تاکہ اس کے ذریعے سے اپنے خیالات آسانی سے ممالکِ اسلام میں شائع کر سکیں اور ملتِ اسلام کو ایک جمعیّت بنانے میں مدد دے سکیں ، کیونکہ جب اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو شاعر کی درد بھری آواز لوگوں کے مردہ دلوں میں کھولن پیدا کرتی ہے اور انقلابِ عظیم کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۔ جناب شیخ عبدالقادر صاحب نے اس مجموعے کے شروع میں ایک پُر لطف دیباچہ لکھا ہے جو صرف شیخ صاحب ہی لکھ سکتے تھے ۔ اس میں انھوں نے اقبال کے کلام پر تنقید نہیں کی بلکہ ان کی شاعری کا نشو و نما اور تدریجی ترقی دکھائی ہے جو پڑھنے کے قابل ہے ۔ اس میں فرماتے ہیں : ”دوسرا تغیّر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک پہنچا ۔ یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعۂ خیال بنا لیا ۔“ اس کے شیخ صاحب نے کئی اسباب بتائے ہیں جنھیں میں انھی کے الفاظ میں ادا کرنا چاہتا ہوں :

”فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں کئی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں

نے اپنی کتاب حالاتِ تصوّف کے متعلق لکھنے کے لیے
جو کتب بینی کی اس کو بھی ضرور اس تغیّرِ مذاق میں
دخل ہوگا ۔ اس کے علاوہ جوں جوں ان کا مطالعہ علمِ
فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار
کو جی چاہا تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں
اردو کا سرمایہ بہت کم ہے ۔ اور فارسی میں کئی فقرے اور
جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق
اردو میں فقرے ڈھالنے آسان نہیں ۔ اس لیے وہ فارسی کی
طرف مائل ہو گئے ۔ مگر بظاہر جس چھوٹے سے موقع سے
ان کی فارسی گوئی کی ابتدا ہوئی وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ
وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی
اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی
شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں ؟ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ
انھوں نے سوائے ایک آدھ شعر کہنے کے ، کبھی فارسی
لکھنے کی کوشش نہیں کی ۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور
اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ
دعوت سے واپس آ کر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ شاید
فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے
تو دو تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں جو انھوں نے زبانی
مجھے سنائیں ۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی
گوئی کی قوّت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے
اس طرح امتحان نہیں کیا تھا ۔ اس کے بعد ولایت سے
واپس آنے پر گو کبھی کبھی اردو کی نظمیں کہتے تھے

مگر طبیعت کا رخ فارسی کی طرف ہو گیا ۔''

شیخ صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں جائے دم زدن نہیں ۔ بے شک یہی اسباب فارسی کی طرف ان کے میلانِ طبع کے ہوئے ہوں گے ۔ لیکن جس چیز نے مستقل طور پر فارسی میں کہنے کی طرف مائل کیا وہ وہی خیال ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے ۔ یعنی ملّت اسلام کے افتراق و نفاق کو دور کر کے اسے ایک قومی جمعیّت بنانا جس کی بنا خالص اسلام پر ہو ۔ اسے کاہلی اور نکبت سے نکال کر عمل اور جد و جہد کی طرف مائل کرنا ۔ اہل ملّت میں وہ سیرت اور خلوص پیدا کرنا کہ ایک ہاتھ میں دین اور دوسرے ہاتھ میں شمع ہدایت ہو اور بالآخر انھیں اقوامِ عالم کی سرداری اور امامت کے لیے آمادہ کرنا ۔ یہ تعلیم ان کی تمام مسلمانوں کے لیے ہے ، خواہ وہ کسی ملک اور کسی نسل کے ہوں ۔

لیکن ہند کے مسلمان عجیب کش مکش میں ہیں ۔ جب حکومت ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ نشہء دولت سے ذرا ہوشیار ہوئے تو ہادی نے انھیں یہ ہدایت کی کہ دولِ اسلام سے تعلق یا محبت رکھنا خلافِ مصلحت ہے ۔ ادھر اہل وطن سے یک جہتی دشوار ہے ، کیوں کہ وہ تعداد میں زیادہ اور ہم کم ہیں ۔ اگر رہے تو ان کے تابع ہو کے رہنا پڑے گا ۔ بس ایک ہی صورت ہے کہ انگریزوں سے ، جو فرمان روائے ملک ہیں ، مل کر رہو ۔ اسی میں تمھاری خیر اور زندگی ہے ۔ ایک مدت اسی پر کاربند رہے ۔ لیکن ، سدا ناؤ کاغذ کی چلتی نہیں ۔ یہ طلسم بھی ٹوٹ کے رہا ۔ اس کے بعد رموزِ سیاست کے شناسا اور زمانے کے نباض آئے اور ہدایت فرمائی کہ اگر ہمیں عزت کے ساتھ زندہ سلامت رہنا ہے تو اہل وطن سے یک جہتی اور اتحاد

پیدا کریں ، ورنہ ملک ہمیشہ پامال رہے گا اور ملک والے کبھی غلامی سے نہ نکل سکیں گے ۔ سارے ملک میں اس سرے سے اس سرے تک صلح و آشتی کی لہر دوڑنے لگی ۔ اتحاد و اتفاق کے ترانے گائے جانے لگے اور لوگوں کے سینے صلح کاری اور محبت کے نور سے معمور نظر آنے لگے ۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک مدت کے بعد اس ملک پر خدا کی رحمت نازل ہونے والی ہے ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تلقین تھی کہ اگرچہ حبِّ وطن ایمان ہے ، لیکن اسلامی ریاستوں سے محبت و ہمدردی کا تعلق نہ ٹوٹنے پائے ۔ ہندوؤں نے بھی اسے تسلیم کیا اور عالی ظرفی سے ساتھ دیا ۔ دونوں بچھڑے بھائی پھر مل گئے اور اخلاص و محبت سے رہنے لگے ۔ نہ معلوم کس کی نظر لگ گئی کہ پھر پھوٹ پڑ گئی اور چار دن کی چاندنی کے بعد پھر اندھیرا گھپ ہو گیا ۔ خدا ان بزرگوں کی ہمت میں برکت دے جو اب تک اس اتحاد کے پیدا کرنے میں سچے دل سے ساعی ہیں ۔ اب ہندو اپنی تنظیم الگ کر رہے ہیں اور مسلمان الگ فکر میں ہیں کہ اپنی جمعیّت درست کریں ۔ بہرحال کچھ دنوں کے لیے یہ کھکھیڑ ان کی قسمت میں اور لکھی ہے ۔ ٹھوکریں کھا کر ایک دن رستے پر آہی جائیں گے ۔

یہ سیاست دانوں اور ملک کے رہنماؤں کی تدبیریں تھیں ۔ شاعر اور حکیم کی صدا ان سے نرالی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے وطنیّت کا خیال ہیچ و پوچ ہے ۔ سیاست ایک قسم کی عیّاری ہے ۔ تہذیب و آئینِ مغربی غولِ راہ ہے ۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ ان پھندوں میں نہ پھنسیں ، وہ مذہب کو رشتۂ اتحاد بنائیں ۔ وہ خصائل اور اخلاق پیدا کریں جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں تھے اور آن

اصولوں پر کاربند ہوں جو تیرہ صدی پہلے انہیں دیے گئے تھے ۔ اور اس پاک تعلیم کے زور پر ایشیا کی رہبری کریں اور پھر ایک بار عالم پر چھا جائیں کیوں کہ دنیا کی نجات اسی میں ہے ۔ یہ ہے اقبال کا پیام ملّتِ اسلام کے نام ۔ اور ۱۹۰۵ع کے بعد سے اس آواز میں زیادہ گونج اور قوّت پیدا ہوتی جاتی ہے ۔ یہ بہت اعلیٰ خیال ہے اور مسلمانوں کے لیے بہت خوش آیند ہے ۔ لیکن ڈر ہے کہ اس خیال کی شدت کبھیں ہمیں ہندوستان سے غافل نہ کر دے ۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے جو دلی محبت ہے اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ۔ ہم اسے جنگِ بلقان اور خلافت کے معاملے میں خوب دیکھ چکے ہیں ۔ لیکن کیا ان کو بھی ہندی مسلمانوں سے ایسی محبت ہے ؟ ہندی ہر خطے میں حقیر سمجھا جاتا ہے اور غلام سے زیادہ اس کی وقعت نہیں ۔ ہندی مسلمان کی خود اسلامی ممالک میں کوئی وقعت نہیں ۔ جب تک ہم اس ملک میں جہاں رہتے ہیں ، اپنی حیثیت مضبوط نہ کر لیں ، اور جب تک ہم یہاں آزادیِ خیال اور آزادیِ عمل کو حاصل نہ کر لیں ، ملّی اتحاد کا خیال خواب ہی خواب ہے ۔ اگر مسلمان ملک کے دوسرے باشندوں کے دوش بدوش ملکی اتحاد و ترقی میں جد و جہد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تو انہیں اس ملک میں رہنے کا کیا حق ہے ؟ وہ لوگ دوسروں کی کیا مدد کر سکتے ہیں جو بے اجازت اپنے ملک سے قدم باہر نہیں رکھ سکتے ۔ اور جو بے اذن کسی ہمدردی کے قابل نہیں ہیں ۔ جب ہم اپنے ہی ملک میں بیگانے اور آپس کے تفرقوں کے شکار ہیں ، تو دوسروں کے سامنے کس منہ سے اتحاد کی تعلیم پیش کریں ۔

تاہم اقبال کے پیام میں بلندی اور ایسا خلوص اور جوش ہے

جو رائگاں نہیں جا سکتا ۔ وہ سوتوں کو جگا ئیں ، غافلوں کو ہشیار کرنے اور دلوں کو ابھارنے میں بجلی کا سا کام کریں گے ۔ اس کا مقصد سیاست یا ملک گیری نہیں بلکہ وہ اخلاق اور روحانی پیام ہے جس کی بنیاد اسلامی تعلیم پر ہے ، اور جس کی غرض اسلامی اصول اور آئین کی اشاعت ہے ۔ جو اتحاد ملّی کے ذریعے سے دنیا پر کارفرمائی کر سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی انھیں اپنے ''ترانۂ ہندی'' کو بالکل بھلا نہیں دینا چاہیے ۔ وہ خود فرماتے ہیں :

عجمی ُخم ہے تو کیا ، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا ، لَے تو حجازی ہے مری

مگر افسوس کہ ہندی نغمہ روز بروز دھیما پڑتا جاتا ہے اور ڈر ہے کہ کہیں صرف عجمی ُخم اور حجازی بادہ ہی نہ رہ جائے ۔ اس خیال کی تصدیق مجھے اس شعر سے ہوئی جو بعد کا کہا ہوا ہے :

مرا ساز اگرچہ ستم رسیدۂ زخمہ ہائے عجم رہا
وہ شہیدِ ذوقِ وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

لیکن اگر ایسا ہوا تو غضب ہو جائے گا ۔ اس لیے ہم اس درخواست میں شیخ عبدالقادر صاحب کے ساتھ شریک ہیں کہ ''وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ حصّہ دیں جس کی وہ مستحق ہے ۔ خود انھوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے :

گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دل سوزیِ پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوایا تھا اُسی سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ

عرصے کے لیے گیسوے اردو سنوارنے کی طرف متوجہ ہوں - یہی نہیں کہ اردو ان کے خیالات سے محروم رہ جائے گی بلکہ ان کا پیام جسے وہ اپنی زندگی کا مقصد خیال کرتے ہیں، تشنہ اور اثر سے محروم رہ جائے گا -

اقبال کی شاعری یا ان کے پیام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ ہمیں قدامت پرستی کی طرف مائل کر دیتی ہے اور بجائے آگے قدم بڑھانے کے وہ ہمیں صدیوں پیچھے لے جانا چاہتی ہے - لیکن اس کی انھیں مطلق پروا نہیں، بلکہ اس پر خوش ہیں اور ایک گونہ فخر کے ساتھ خود ان الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہیں :

ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہدِ کہن رہتا ہوں میں
اہلِ محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں
یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے
سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

لیکن ان کی قدامت پرستی مردہ نہیں ہے جو دلوں میں یاس اور اداسی پیدا کرتی ہے - بلکہ وہ ان اصول کی پیروی ہے جن کی صداقت پر شاعر کو کامل یقین ہے - وہ اپنے پیام میں عہدِ ماضی کی روشن مثال دکھا کر بار بار انھیں عمل اور جدوجہد اور ثبات پر آمادہ کرتا ہے :

یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے

اسی خیال کو دوسری جگہ ادا کیا ہے :

اس رہ میں مقام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے

یہی خیال اس شعر میں بھی ہے :

مستِ مے خرام کا سن تو ذرا پیام تُو
زندہ وہی ہے ، کام کچھ جس کو نہیں قرار سے

کوششِ ناتمام کے متعلق کہتے ہیں :

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ کام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

اس سے بڑھ کر کوئی کیا کہہ سکتا ہے :

وائے نادانی کہ تُو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تُو مینا بھی تُو ساقی بھی تُو محفل بھی تُو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا ؟ کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو
بے خبر تُو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تُو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اقبال کی شاعری کی پوری حقیقت معلوم کرنے کے لیے ''شمع اور شاعر'' ، ''خضرِ راہ'' اور ''طلوعِ اسلام'' کی نظمیں غور سے پڑھنی چاہئیں ۔ یہ ظاہری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے ان کی شاعری کے بہترین نمونے ہیں ۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی دوسری نظمیں اس پائے کی نہیں ہیں ۔ ان کی بعض چھوٹی نظمیں بہت پاکیزہ اور اعلیٰ درجے کی ہیں ، مثلاً ''ایک آرزو'' ، ''سرگزشتِ آدم'' ، ''جگنو'' ، ''چاند'' ، ''صبح کا ستارہ'' ، ''پرندہ'' ، وغیرہ بہت اچھی اچھی نظمیں ہیں ۔ لیکن جن تین نظموں کا میں نے نام لیا

ہے وہ ایسی ہیں کہ ان میں اقبال کی شاعری کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں ۔

تخیّل کی بلندی ، تشبیہات و استعارات اور لفظی ترکیبیں صاف بتاتی ہیں کہ اقبال کے کلام پر مرزا غالب کا کس قدر اثر ہے ۔ وہ گویا مرزا کے معنوی شاگرد ہیں اور پڑھنے والا ، جسے ذوقِ سخن ہے ، بہ‌آسانی اسے سمجھ سکتا ہے ۔ لیکن بندش میں وہ چستی نہیں ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ مرزا کے طرزِ ادا میں جو خاص نزاکت ہے وہ نہیں پائی جاتی ہے ۔ اور نہ وہ سوز و گداز اور درد ہے جو ہم حالی کے کلام میں پاتے ہیں ۔ اگرچہ کہیں کہیں تکلف کی جھلک نظر آتی ہے اور فارسی ترکیبیں اعتدال سے آگے نکل جاتی ہیں ، مگر شان و شکوہ ، زور شور ، اور امنڈتے ہوئے جذبات کی ادائی ، حکیمانہ نظر اور شاعرانہ اندازِ بیان میں اقبال کے کلام کا جواب نہیں ۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ ہو :

آگ ہے ، اولاد ابراہیم ہے ، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟

شاعروں نے بہار و خزاں کے اور گل و بلبل کے راز و نیاز بیان کیے ہیں ۔ اقبال نے صحرا کا سماں لکھا ہے ۔ چند شعر ہیں مگر کس قدر بلند اور کیفیت پیدا کرنے والے :

اے رہینِ خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل !
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں ، وہ سفر بے سنگ و میل !

وہ نمودِ اخترِ سیماب پا ہنگامِ صبح
یا نمایاں بامِ گردوں سے جبینِ جبرئیل !
وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں
اہلِ ایماں جس طرح جنّت میں گردِ سلسبیل !
تازہ ویرانے کی سودائے محبّت کو تلاش
اور آبادی میں تُو زنجیریٔ کشت و نخیل !

یا اس شعر کو دیکھیے ۔ کیا خیال ہے اور کیا قوّتِ بیان :

حقیقت ایک ہے ہر شے کی ، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے ، اگر ذرے کا دل چیریں

میرا مقصد اس وقت اقبال کے منتخب اشعار پیش کرنا نہیں ہے اور نہ یہ اس کا موقع ہے اور نہ مسلسل نظموں میں سے بعض اشعار کا انتخاب مناسب ہے ۔ ان کے کلام کا لطف حاصل کرنا ہو تو کم سے کم ان کی وہ نظمیں ملاحظہ فرمائیں جن کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں ۔

آج کل بعض سخن سنج اقبال کے کلام کا مقابلہ ہندوستان کے ایک دوسرے نامور اور فخر ہندوستان شاعر ٹیگور کے کلام سے کرتے ہیں ۔ ٹیگور کے کلام میں بے شک پریم کا رس ملا ہوا ہے ۔ اس کی محبت عالمگیر ہے ۔ وہ تمام کائنات کو اپنے آغوش محبت میں لینا چاہتا ہے ۔ اس کی نظمیں پڑھ کر دل کو تسکین اور روح میں سرور پیدا ہوتا ہے لیکن اس میں وہ آگ نہیں جو اقبال میں ہے ۔ ٹیگور کے کلام میں نسائیت کا شائبہ پایا جاتا ہے اور اقبال میں مردانہ پن ۔ ٹیگور کا جذبۂ محبت بہت گہرا اور بے تھاہ ہے لیکن وہ

اپنے حدود کو توڑ کر کبھی آگے نہیں نکل جاتا ۔ اور باوجود کیف و وجد کے آپے سے باہر نہیں ہونے پاتا ۔ اقبال کا مطمح نظر اگرچہ مقابلتاً محدود ہے مگر زیادہ قوی ، زیادہ پُر زور اور زیادہ شور انگیز ہے ۔ ٹیگور کے ہاں نازک سے نازک موقع پر بھی عقل کی پرچھائیں آس پاس ضرور نظر آتی ہے مگر یہاں جذبات کے تلاطم کے سامنے بعض اوقات بےچاری عقل اپنی آبرو بچانے کے لیے اُچک کر الگ جاکھڑی ہوتی ہے ۔ وہاں جذب و کیف کے ساتھ خود داری ہے اور یہاں وارفتگی و شیفتگی :

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است
هر چند عقل کل شده‌ای ، بے جنوں مباش

لیکن اگر وہ ایک لحظے کے لیے ذرا مڑ کر دیکھیں تو ہم انہیں ان کا ''نیا شوالہ'' دکھانا چاہتے ہیں جس کی قسمت میں تعمیر سے پہلے کھنڈر ہونا لکھا تھا ۔ گو اقبال اس وقت ایک اور شان‌دار تعمیر میں مصروف ہیں لیکن ایک روز انہیں ادھر آنا پڑے گا ۔ اور وہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہوگا ۔ (رسالہ ''اُردو'' ، اکتوبر، ۱۹۲۴ع ، ص ۱۰۷-۱۲) ۔

۲- اقبال :

(مولفہ مولوی احمد دین صاحب بی ۔ اے ایڈوکیٹ ، لاہور، صفحات ۲۸۴ ، چھوٹی تقطیع ، قیمت دو روپے چار آنے) ۔

سر محمد اقبال کی شاعری پر بہت سے مضمون لکھے گئے ہیں ، لیکن اس قدر تفصیل کے ساتھ اب تک کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی تھی ۔ جس طرح اقبال کی شاعری جوش و خروش

سے بھری ہوئی ہے ، اسی طرح مولوی احمد دین صاحب بھی اس شاعری کے پُرجوش مداح ہیں ۔ اقبال کی شاید ہی کوئی اچھی نظم ایسی ہوگی جس پر مولوی صاحب نے جوش کے ساتھ کچھ نہ لکھا ہو اور اقتباس نہ دیا ہو ۔ شروع کے ۱۴۰ صفحوں میں ابتدا سے آخر تک ہر قسم کی نظموں کا ذکر کیا ہے ۔ دوسرے حصے میں (۱۴۲ سے ۲۱۴ تک) مضامینِ کلام سے بحث کی ہے ۔ یہ مضامین یہ ہیں :

''نورِ توحید کی جوت ، دل‌نواز مستقبل ، خودی و خودداری ، خود افزائی ، مذہب ، اخلاقیات ، تہذیبِ نو ، فلسفۂ وطنیت ، عجمیّت ، پان اسلام ازم یا اتحادِ سیاست ملّیہ ۔''

تیسرے اور آخری حصے میں اقبال کے طرزِ بیان سے بحث کی گئی ہے ۔ اس تقسیم سے بعض مضامین ایک حصے کے دوسرے حصے میں گڈمڈ ہو گئے ہیں ۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ شاعر کی شاعری کا کوئی پہلو قابل مؤلف کی نظر سے نہیں بچا ۔ یہ تنقید نہیں ہے بلکہ اقبال کی شاعری کے محاسن ہیں اور اس کا حق مؤلف نے پورا پورا ادا کر دیا ہے ۔ آخر میں وہ اس تمام بیان کا خلاصہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''ڈاکٹر صاحب کا کلام اگرچہ تمام تر آورد ہے ، لیکن اس میں انتہائی لطافت اور ایجاز ہے ۔ یعنی فصاحتِ لفظی اور بلاغتِ معنوی دونوں کی پوری پوری رعایت ملحوظ ہے ۔ جو مضمون ہے وہ نہایت صاف ، برجستہ اور نکتہ سنجی اور ندرتِ خیال کا پسندیدہ ترین نمونہ ہے ۔ انداز بیان اور طرزِ ادا انوکھا اور دل کش ہے ۔ ان کی توجہ

خیالات کی رفعت اور معانی کی بلندی کی طرف زیادہ رہتی ہے - صنائع بدائع ، تشبیہات و استعارات کے پیچ میں وہ نہیں پڑتے - لیکن باوجود اس کے لفظوں کی لطافت اور ترکیبوں کی نزاکت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے - ان کا جام شاعری اس سوگواری کی تلخی سے پاک ہے جو قومی مرثیہ گویوں کے کلام میں پائی جاتی ہے - وہ ماضی کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ شان‌دار مستقبل کے مژدہ گو ہیں - ان کی شگفتہ طبیعت ایک بلبل ہے جو خزاں کی نوحہ خوانی نہیں کرتی بلکہ بہار کی آمد کا نغمہ گاتی ہے - یہ اپنی شاعری میں ملّتِ جدیدہ کی دماغی تعمیر میں بہت بڑا حصہ لے رہے ہیں -''

مولوی صاحب نے طرزِ بیان میں بھی مضامین ہی سے بحث کی ہے - ہم اس بات سے خوش ہیں کہ انھوں نے شاعری کے داخلی پہلو پر نظر ڈالی ہے - مگر طرز بیان میں داخلی اور خارجی دونوں پہلو شریک ہیں - اس حصے کے آخر میں انھوں نے اُردو اور اہل پنجاب کے عنوان سے بھی چار پانچ صفحے لکھے ہیں - ان کا فرمانا بالکل بجا ہے کہ ہر زبان پر ، جب وہ کسی دوسرے مقام پر پہنچتی ہے ، وہاں کے طریقِ معاشرت ، تمدنی حالات اور طرزِ بیان کا اثر پڑتا ہے ، اس لیے وہاں کے الفاظ بھی اس زبان میں داخل ہو جاتے ہیں - لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر پنجابی ، پوربی یا دکھنی محاورے کا لفظی ترجمہ زبان میں داخل ہونے کا حق رکھتا ہے - خود اقبال کی زبان اس کی شاہد ہے - کیا اچھا ہوتا کہ اگر مولوی صاحب بعض ایسے الفاظ لکھ دیتے جو ان کی رائے میں اُردو زبان میں داخل

ہونے کے قابل ہیں ۔ اُردو زبان کو دوسری زبانوں کے لفظ لینے سے عار نہیں ۔ لیکن بحث اس میں ہے کہ وہ کون سے لفظ ہیں جو لینے کے قابل ہیں ۔ یہ صرف آسی صاحبِ ذوقِ سلیم کا حق ہے جو زبان کا ماہر ہے اور اس کے استعمال پر کامل قدرت رکھتا ہے ۔ جب وہ کوئی نیا لفظ استعمال کرتا ہے تو لفظ خود بول اٹھتا ہے کہ میری جگہ یہاں ہے ۔

جو لوگ اقبال کی شاعری کے قدردان ہیں وہ اس کتاب سے بہت لطف اور حظ اٹھائیں گے ۔ (''اُردو''، اکتوبر، ۱۹۲۶ء، ص ۲۹۱-۹۲) ۔

۳- کلّیاتِ اقبال :

(مرتّبہ مولوی محمد عبدالرزاق صاحب ۔ حُجم : ۳۹۶ صفحات ۔ قیمت : پانچ روپے ۔ مجلّد : چھ روپے ۔ ملنے کا پتا : محمد نجم الدین، احاطہ سید جنگ مرحوم، توپ بازار، حیدر آباد دکن)

اس سے قبل ہم ''بانگِ درا'' پر مفصّل ریویو لکھ چکے ہیں ۔ اقبال کی نظموں کا یہ دوسرا مجموعہ ہے جو حیدر آباد دکن سے شائع ہوا ہے ۔ اگرچہ یہ مجموعہ ''بانگ درا'' سے پہلے مرتّب اور طبع ہو چکا تھا لیکن بعض وجوہ سے اس کی اشاعت رکی رہی ۔ اس میں ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ اس میں بعض نظمیں ''بانگ درا'' سے زاید ہیں ۔ دوسرے لائق مرتّب نے اقبال کی شاعری پر ۱۳۶ صفحوں کا دیباچہ لکھا ہے ۔ کتاب کے شروع میں مولانا عبداللہ العمادی نے تمہید کے طور پر پانچ چار صفحے لکھے ہیں جس کی ابتدا اس عجیب و غریب

جملے سے ہوتی ہے :

"آج جب کہ ہماری شاعری گرفت و گیر کی نزاکت میں عیارانہ مشاق پیدا کرنے کے لیے "اس طرح کہ گھنگرو کوئی چھاگل کا نہ بولے" پر زور دے رہی ہے اور "جب چھم سے چلیں گود میں چپکے سے اٹھالو" کے فلسفے کی عملی تعلیم دینے پر آمادہ ہے ، سخن سنجی کو دعویٰ ہے کہ "واعظ کے منہ پہ مُہر لگادوں کباب کی" اور سخن سنج یہ مستزاد الاپ رہا ہے کہ "ڈاڑھی کو دیا اس کے لگا بزر قطونا" اور "بجنے لگی گت" ۔

اسی رنگ میں مولانا نے عربی فارسی شاعری کا ذکر کر کے آخر میں مختصر طور پر اردو کا ذکر فرمایا ہے اور اقبال کی شاعری کے متعلق اپنا خیال ظاہر فرمایا ہے ۔

قابل مرتّب نے اپنے دیباچے میں اقبال کی شاعری پر بہت طولانی بحث کی ہے اور بعض جگہ مبالغے سے کام لیا ہے مگر کوئی خاص بات پیدا نہیں کی ۔ تاہم اس میں ایسی بہت سی معلومات اور حالات جمع کر دیے ہیں جن کا علم عام طور پر نہیں ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے بہت محنت کی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ابتدا سے اقبال کے کلام سے عشق تھا اور ان کی نظموں کو سینت سینت کر رکھا تھا اور اسی شوق کا نتیجہ ہے کہ یہ مجموعہ مرتّب ہوا ۔

اس مجموعے کو لائق مرتّب نے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے :

اول ، دیباچہ جس میں شاعر کے مختصر حالات ، اس کی شاعری اور اس کی تصنیفات کا ذکر ہے ۔

دوم ، مئے دو آتشہ یعنی وہ غزلیات ، جن میں مشرق اور مغربی

شاعری کا امتزاج پایا جاتا ہے ۔

سوم ، نکات یعنی ، ظرافت آمیز لیکن خود آموز اشعار ۔

چہارم ، نقشِ قدرت ، یعنی مناظر قدرت کی جیتی جاگتی تصویریں ۔

پنجم ، فانوسِ حیات ۔ وہ نظمیں جن میں حقائق و معارف پائے جاتے ہیں ۔

ششم ، شمعِ طور ۔ وہ نظمیں جن کا تعلق اسلام سے ہے ۔ اس مجموعے میں کم و بیش تین ہزار شعر ہیں ۔

مولوی عبدالرزاق صاحب در حقیقت شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بڑی محنت اور کاوش سے ان بے بہا نظموں کو یک جا کر کے شائع کیا ہے ۔

(رسالہ ''اردو'' ، جنوری ۱۹۲۶ع ، ص ۱۹۰ - ۱۹۱)

☆ ☆ ☆

۲- تقریر

۲۲- اپریل ۱۹۵۰ء کو کراچی میں بزمِ اقبال کے زیرِ اہتمام جہانگیر پارک میں ایک جلسۂ عام منعقد ہوا تھا - اس میں بابائے اردو نے جو تقریر کی تھی ، وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے -

ایک ایسے نازک وقت میں جب کہ ہم شکستہ دل اور مایوس تھے اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی ، اللہ تعالٰی نے اپنے رحم و کرم سے ہماری قوم میں اقبال جیسی عظیم المرتبت ہستی کو پیدا کیا ، جس کی نظیر نہ صرف اس برصغیر بلکہ اس عہد کی تمام دنیائے اسلام میں نہیں ملتی - یہاں تک کہ غیروں نے بھی اس کی عظمت کا اعتراف کیا اور انھیں کہنا پڑا کہ اقبال بہت بڑا شخص تھا -

بڑے شخص سے کیا مطلب ہے ؟ ایک صاحبِ جاہ و ثروت بھی بڑا شخص ہو سکتا ہے ، ایک عالی دماغ فلسفی بھی بڑا شخص مانا جا سکتا ہے - ایک نازک خیال شاعر ، ایک ماہر صنّاع ، ایک عالم متبحّر ، ایک کامل سیاست دان ، یہ سب بڑے شخص ہو سکتے ہیں - لیکن ہم جسے بڑا شخص مانتے اور سمجھتے ہیں وہ وہ ہے جو اپنے افکار اور اپنی زندگی سے دلوں میں ولولہ ، دماغوں میں جلا اور خیالات میں انقلاب پیدا کر دے - اور ان کے طرزِ فکر ہی کو نہیں

بلکہ ان کے دماغوں کی ساخت کو بھی بدل دے اور زندگی کا نیا تصوّر عطا کرے ۔ قوم کو تاریکی سے نکال کر اجالے میں لے آئے اور پستی و ضلالت کی راہ سے موڑ کر اس راستے پر لے آئے جسے ہم صراطِ مستقیم کہتے ہیں ۔

دنیا کے بڑے بڑے مصلحین ، مفکّرین اور انبیا و اولیا نے یہی کیا ، اور خلقِ خدا کی یہی خدمت اقبال نے انجام دی ۔

وہ بہت بڑا بت شکن بھی تھا ۔ اس نے جمود و سکون کے بت کو توڑا ، فرنگی تہذیب کے بت کو توڑا ، یونانی ، عجمی اور ہندی اور یونانی توہمّات اور خیالاتِ باطلہ کے بت کو توڑا ۔ یہ حیرت انگیز انقلاب اس نے اپنے حیات آفریں خیالات کی قوت سے برپا کیا ۔

خیال کی قوّت دنیا میں سب سے بڑی قوت ہے ۔ ایٹم بم کی قوّت سے بھی زیادہ ۔ ایک ایک خیال نے دنیا کے طبقے الٹ دیے ہیں ، قوم کی کایا پلٹ دی ہے ، ان میں نئی زندگی پیدا کر دی ہے ۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مُردوں کو زندہ کر دیا ہے ۔ ہیگل نے خوب کہا ہے اور اس قدر خوب کہا ہے کہ اس کی داد نہ دینا ظلم ہوگا ۔ وہ کہتا ہے : Even the thought of a criminal is more magnificient than all the wonders in heavens جب ایک مجرم کا خیال آسمانوں کے تمام عجائبات سے بھی زیادہ شان دار ہے تو ایک مفکّر اعلیٰ کی شان کی کیا انتہا ہو سکتی ہے ۔ وہ ساری کائنات کو ہلا سکتا ہے ۔

اقبال کے کلام میں ایسے انقلاب انگیز اور حیات آفریں خیالات جابجا ملتے ہیں ۔ اس کے کلام میں حکمت و ہدایت کے بےبہا جواہرات بھرے ہوئے ہیں جن سے ہر شخص اپنی افتاد طبع اور مزاج کے موافق ہدایت اور روشنی حاصل کر سکتا ہے ۔ میرے دل میں

اقبال کی جس بات کی بڑی قدر ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عالی خیالات اور افکارِ بلند سے ہماری قومی زبان اُردو کا مرتبہ اس قدر بلند کر دیا کہ اس سے پہلے اسے کبھی نصیب نہیں ہوا ۔ ہمیں اردو کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس کے واسطے سے ہم نے اقبال کو پہچانا ۔ اگر اقبال کسی مقامی زبان میں لکھتا تو کیا یہ غیر معمولی مقبولیت ، یہ اثر ، یہ جوش اور یہ بیداری پیدا ہو سکتی تھی ؟ ہرگز نہیں ۔

یہ بالکل سچ ہے کہ ہمیں پاکستان اور اس کے ساتھ زندگی کا نیا تصوّر اقبال نے دیا ۔ لیکن اگر آپ گزشتہ اسّی سال کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس کی ابتدا بھی ، گو وہ کیسی بھی خفیف ہو ، اُردو سے ہوئی ۔ ۱۸۶۷ع میں ہندوؤں نے اردو کو دفتروں ، عدالتوں اور مدرسوں سے خارج کرنے کی زبردست کوشش کی ۔ سرسید نے اس کا مقابلہ کیا اور آخر دم تک اسی کی حمایت میں مردانہ وار لڑتے رہے ۔ وہ اپنی تعلیمی سروے کی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ میں تیس سال سے ملک کی خدمت کر رہا ہوں ۔ میں نے کبھی ہندو مسلمان کا امتیاز نہ کیا ۔ لیکن جب ہندوؤں نے اردو کی مخالفت کی اور ہر ایسی شے سے بیزاری کا اظہار کیا جس کا تعلق اسلامی عہد سے ہے ، تو مجھے یقین ہوگیا کہ ہم مل کر کام نہیں کر سکتے ۔ اور میں نے اپنی کوششوں کا رخ مسلمانوں کی اصلاح اور تعلیم کی طرف پھیر دیا ۔ اس وقت سے ہندو مسلمان الگ ہو گئے اور دو جدا قومیں بن گئیں ۔

سرسید نے قوم اور قومیت کا مفہوم بدل دیا اور اس وقت سے ہمارے دلوں میں ایک نیا تصوّر پیدا ہوا ۔ ہمارے دلوں میں کوئی بات جو پُر اسرار سی تھی ، سائے کی طرح پھر رہی تھی ، موہوم سی

تھی ، صاف نظر نہیں آتی تھی - اس میں شک نہیں ہم اپنے کلچر ، اپنے مذہب اور اپنی زبان کے بچانے کے لیے جد و جہد کرنے لگے تھے - لیکن وہ اصل بات جو ان سب کی تہہ میں تھی ، ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی - اس کے سمجھنے اور اظہار کی سعادت علامہ اقبال کے حصے میں آئی اور اس کا اظہار اس نے ایسے مؤثر اور پُرزور پیرائے میں کیا کہ دلوں میں گھر کر گئی ، اور یہ نعمت اقبال کی بدولت اُردو کے ذریعے سے ہمیں نصیب ہوئی -

غرض آپ اگر واقعات کا مطالعہ اس نظریے سے کریں اور ان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تو معلوم ہوگا کہ قصر پاکستان کی بنیاد میں جس نے پہلی اینٹ رکھی وہ اُردو تھی - اور اس خیال کی اشاعت و پروپیگنڈے میں اُردو نے جو بے نظیر کام کیا وہ کسی دوسری طرح ممکن نہ تھا - اس نے پاکستان کے مبارک پیغام کو ملک کے کونے کونے اور گھر گھر پہنچایا جو کوئی دوسری زبان نہیں کر سکتی تھی - اردو کا پاکستان پر بڑا حق ہے اور یہی وجہ ہے کہ قائد اعظم نے صاف صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ پاکستان کی زبان اردو ہوگی ، اور کوئی دوسری زبان نہیں ہو سکتی - اور جو اس بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا صریح دشمن ہے -

ہم نے اس کی کیا قدر کی ؟ اس کی قدردانی کی ایک تازہ مثال سناتا ہوں کہ کل ایوان گورنر جنرل میں بزمِ اقبال کا جلسہ ہوا - یہ جلسہ اردو کے سب سے بڑے شاعر کی یادگار میں ہوا تھا اور تقریریں سب غیر زبانوں میں ہوئیں - دوسری زبانوں نے ایوان گورنر جنرل کی بزم میں باریابی کی عزت حاصل کی ، اور نہیں تھی تو اردو -

حضرات ! وہ زبان جو قرآن پاک اور آسمانی صحیفوں کا ترجمہ کر سکتی ہے ، جو علم و فن کے موضوعات پر بحث کر سکتی ہے ، جو غالب ، سرسید ، حالی اور اقبال کے خیالات و جذبات کو ادا کر سکتی ہے ، کیا وہ دفتروں کی معمولی مسلوں تک کے مطالب کو ادا نہیں کر سکتی ؟ جو اس سے انکار کرتا ہے وہ قومی زبان کی توہین کرتا ہے ۔ یاد رکھیے اگر ہم نے اس کی قدر نہ کی اور اس کو وہ درجہ نہ دیا جس کی وہ مستحق ہے تو پاکستان کے استحکام میں خلل واقع ہو جائے گا اور پشتونستان ، بنگالستان ، سندستان جیسے کئی استان بن جائیں گے اور پاکستان ڈھونڈے سے نہ ملے گا ۔ اردو مثل ایک شیرازے کے ہے جو صحیفۂ پاکستان کے متفرق اجزا کو مستحکم اور ان کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھنے والا ہے ۔ اس لیے آپ اس جلسے کے برخاست ہونے سے پہلے صدقِ دل سے یہ عہد کیجیے کہ اس زبان کو ہم اپنی قومی ، سرکاری ، ادبی اور علمی زبان بنا کر رہیں گے ۔

خدا آپ کو اس کی توفیق دے اور آپ کی ہمّت میں برکت عطا کرے ۔

(قومی زبان ، کراچی ، یکم مئی ۱۹۵۰ع ، ص ٦ - ٧)

☆ ☆ ☆

۳۔ تقریر

۲۱ اپریل ۱۹۵۳ع کو علامہ اقبال کی برسی کے موقع پر بابائے اُردو نے ریڈیو پاکستان سے مندرجہ ذیل تقریر نشر کی :

آردو کی اشاعت و ترقی کے لیے جہاں اور تدبیریں کی تھیں ، وہاں ۱۹۳۵ع میں میں نے ایک تجویز یہ پیش کی تھی کہ ہر صوبے اور علاقے اور دیسی ریاستوں میں آردو زبان کا جائزہ لیا جائے ۔ یعنی اس قسم کی معلومات فراہم کی جائیں کہ وہاں آردو بولنے والوں اور لکھے پڑھوں کی کیا تعداد ہے ؟ آردو کی تعلیمی اور دفتری حیثیت کیا ہے ؟ کون کون سے ادیب اور شاعر ہوئے ہیں ؟ کس قسم کی کتابیں آردو میں لکھی ہیں ؟ آردو مطبعوں اور اخباروں کی کیا حالت ہے ؟ بول چال کی زبان کیسی ہے ؟ وغیرہ وغیرہ ۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ ہمیں صحیح طور سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس برّعظیم میں آردو کی کیا حیثیت ہے اور اس کا پھیلاؤ کہاں تک ہے ۔ دوسرے جب ہر مقام کے حالات ہمارے سامنے ہوں گے تو جہاں جیسی ضرورت ہوگی اس کے مطابق کام کا ڈول ڈالا جائے گا۔ اس غرض سے میں لاہور بھی گیا اور اس تجویز پر غور کرنے کے لیے ایک مشاورتی مجلس قائم کی ۔ میں اور میرے ایک دو رفیق ڈاکٹر اقبال مرحوم سے بھی ملنے گئے ۔ ہم ملنے کے کمرے میں جا بیٹھے ۔

کمرے کی دیواریں سب خالی تھیں ۔ صرف ایک دیوار میں ایک جانب کوئین وکٹوریا کی تصویر لگی ہوئی تھی ۔ نہ معلوم کس نے لگا دی تھی ۔ ہمارے آنے کی اطلاع پر ڈاکٹر صاحب فوراً تشریف لے آئے ۔ میں نے اپنی تجویز بیان کرنا شروع کی اور آخر میں کہا میں چاہتا ہوں سارے ہندوستان میں اردو کی اشاعت کا جال پھیلادوں ۔ سن کر فرمایا : ”صرف ہندوستان میں ؟“ یہ تین لفظوں کا انتہائی مختصر جملہ بہت پُر معنی تھا ۔ یہ ایک حکیم شاعر کے دل کی آواز تھی ۔ یعنی وہ اردو کو صرف برعظیم پاک و ہند ہی کی نہیں ، سارے ایشیا کی ممتاز زبان دیکھنا چاہتے تھے ۔

۱۹۳۶ ع میں انجمن حمایت اسلام لاہور نے اپنے سالانہ جلسے میں ”یوم اردو“ بھی رکھا تھا اور اس کی صدارت کے لیے مجھ سے فرمائش کی تھی ۔ میں لاہور گیا تو علامہ اقبال مرحوم نے مجھے کھانے پر مدعو کیا ۔ مرحوم دن ہی میں کھانا کھا لیتے تھے ، رات کو نہیں کھاتے تھے ۔ میرا معمول اس کے برعکس تھا ۔ دن میں نہیں کھاتا تھا ، رات کو کھاتا تھا ۔ مرحوم نے میری خاطر اس روز دن میں نہ کھایا اور شب کے وقت میرے ساتھ کھایا ۔ اس دعوت میں مولانا ظفر علی خاں اور چودھری محمد حسین بھی شریک تھے ۔ کچھ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ”ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس مضمون کا ایک بیان شائع کریں کہ ہم اردو رسمِ خط کبھی نہیں چھوڑیں گے“ ۔ دوسرے صاحبوں نے بھی اس کی تائید کی ۔ میں سن کر چپ رہا ۔ ایسا معلوم ہوا کہ ان حضرات کو میرے متعلق کچھ شبہ ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ کہیں میں کانگریس والوں سے اتفاق کر کے دیوناگری خط کی تائید نہ کر

بیٹھوں ۔ کیونکہ اس زمانے میں ہندی والوں سے میری گفت و شنید بلکہ تنازعہ جاری تھا ۔ میری خاموشی سے ان کا شبہ اور قوی ہو گیا ۔ جب یہ بات پھر چھڑی تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ۔ ہمارے حریف بڑے شاطر اور عیّار ہیں ۔ آپ ان سے معاملہ کرنا جانتے ہیں ، نہ مقابلہ کرنا ۔ میں ان کو خوب سمجھتا ہوں اور کوئی بات ایسی نہیں کرنا چاہتا جس میں پہل میری طرف سے ہو اور قابلِ الزام ٹھہروں ۔ آپ چند روز صبر کیجیے اور پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے ۔ ہوگا وہی جو آپ کا منشا ہے مگر اس کا الزام ان کے سر رہے گا ۔ میری یہ بات کچھ ان کی سمجھ میں نہ آئی ۔ شبہ بدستور باقی رہا ۔

خدا کا کرنا کہ اس کے کچھ ہی دن بعد ناگپور میں اکھل بھارتیہ ساہتیہ پریشد کا سالانہ جلسہ ہوا ۔ میں اس کی مجلسِ عاملہ کا رکن تھا ۔ وہاں مجھ میں اور گاندھی جی میں زبان کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس میں قدرے گرمی پیدا ہو گئی تھی ۔ اس بحث کو اب تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی ہے ۔ جب گاندھی جی نے ذرا جھنجھلا کر یہ کہا کہ ”میں ہندی نہیں چھوڑ سکتا ۔ اُردو مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے ۔ قرآن کے حرفوں میں لکھی جاتی ہے ۔ مسلمان بادشاہوں نے پھیلائی ۔ آپ اسے رکھیں چاہے نہ رکھیں ۔“ اس پر میں نے کہا : ”جب آپ ہندی نہیں چھوڑ سکتے تو ہم اُردو کیوں چھوڑ دیں ۔ ہم ان شاء اللہ اسے زندہ و قائم رکھیں گے اور کمال تک پہنچا کے چھوڑیں گے ۔“ اب علامہ اقبال میری مذکورہ بالا گفتگو کی تہہ تک پہنچے ۔

اُس زمانے میں انجمن کا صدر مقام ریاست حیدر آباد دکن میں

تھا ۔ وہ دور کانگریس کی قوت اور عروج کا تھا ۔ ہر صوبے میں کانگریس کی حکومت تھی اور ہمیں ان سے اور ہندی کے بڑے بڑے مہاتماؤں سے اردو کے معاملے میں لڑنا جھگڑنا پڑتا تھا ۔ اس وجہ سے ہندی والے اور ان کے اخبار ریاست کو بدنام کرتے تھے ۔ اس لیے میں نے انجمن کا مستقر بدلنا مناسب سمجھا ۔ تبدیلِ مقام اور آئندہ نظامِ عمل کے فیصلے کے لیے میں نے ایک کُل ہند اردو کانفرنس کی تجویز کی ۔ اس کا ذکر میں نے ایک خط میں علامہ اقبال سے بھی کیا ۔ انھوں نے لکھا کہ ''پہلے سے اچھا ہوں مگر افسوس ابھی سفر کے لائق نہیں ۔ بہرحال اگر اردو کانفرنس کی تاریخوں تک میں سفر کے قابل ہو گیا تو ان شاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا ۔ لیکن اگر حاضر نہ ہو سکا تو یقین جانیے کہ اس اہم معاملے میں کلیۃً آپ کے ساتھ ہوں ۔ اگرچہ میں اردو زبان کی بحیثیتِ زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا ، تاہم میری لسانی عصبیّت دینی عصبیّت سے کسی طرح کم نہیں ہے ۔''

اس کانفرنس کا اجلاس علی گڑھ یونیورسٹی میں ہونا قرار پایا ۔ اس میں ہر صوبے کے اکابر شریک ہوئے ۔ علامہ اقبال نے میری دعوت کے جواب میں لکھا :

> ''میں علی گڑھ حاضر ہونے کا مصمّم ارادہ رکھتا تھا ، مگر افسوس کہ کمر کے درد سے ابھی تک افاقہ نہیں ہوا ۔ آپ کی تحریک اس تحریک سے کسی طرح کم نہیں جس کی ابتدا سر سید رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی ۔''

کاش اقبال اس وقت زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ پاکستان میں اردو کا کیا مقام ہے ۔

(قومی زبان ، کراچی ، یکم مئی ۱۹۵۳ء ، ص ٦)

☆ ☆ ☆

۴۔ تصانیفِ مولوی عبدالحق

۱۔ اردو بحیثیتِ ذریعۂ تعلیمِ سائنس (تصنیف) ۔
۲۔ اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ (اردو) ۔
۳۔ اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ (انگریزی) ۔
۴۔ اردو صرف و نحو ۔
۵۔ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیہ کرام کا کام ۔
۶۔ انتخابِ داغ (ترتیب) ۔
۷۔ انتخابِ کلامِ میر (ترتیب) ۔
۸۔ انجمن ترقی اردو کا المیہ ۔
۹ دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری (ترتیب) ۔
۱۰۔ باغ و بہار (ترتیب) ۔
۱۱۔ پاکستان میں اردو کا المیہ ۔
۱۲۔ تذکرۂ ریختہ گویاں (ترتیب) ۔
۱۳۔ تذکرۂ مخزنِ شعرا (ترتیب) ۔
۱۴۔ مخزنِ نکات (ترتیب) ۔
۱۵۔ گلشنِ ہند (ترتیب) ۔
۱۶۔ نکات الشعرا (ترتیب) ۔
۱۷۔ چمنستانِ شعرا (ترتیب) ۔
۱۸۔ چند ہم عصر ۔

۱۹- مثنوی خواب و خیال (ترتیب) ۔
۲۰- خطباتِ عبدالحق ۔
۲۱- دریائے لطافت (ترتیب) ۔
۲۲- ذکرِ میر (ترتیب) ۔
۲۳- سب رس (ترتیب) ۔
۲۴- سر سید احمد خاں ۔ حالات و افکار ۔
۲۵- قطب مشتری (ترتیب) ۔
۲۶- قدیم اُردو ۔
۲۷- گلشنِ عشق (ترتیب) ۔
۲۸- تذکرۂ گلِ عجائب (ترتیب) ۔
۲۹- مرحوم دہلی کالج ۔
۳۰- مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر ۔
۳۱- ملک الشعرا بیجاپور ، نصرتی ۔
۳۲- تذکرۂ ہندی (ترتیب) ۔
۳۳- تذکرۂ ریاض الفصحا (ترتیب) ۔
۳۴- تذکرۂ عقدِ ثریّا (ترتیب) ۔
۳۵- مقدّماتِ عبدالحق ۔
۳۶- تبصراتِ عبدالحق ۔
۳۷- تنقیداتِ عبدالحق ۔
۳۸- لغتِ کبیر اُردو (زیرِ طبع) ۔
۳۹- مکتوباتِ عبد الحق ، مرتّبہ جلیل قدوائی ۔
۴۰- مکتوباتِ بابائے اُردو ، مرتّبہ حکیم امامی ۔
۴۱- اُردوئے مصفّٰی (خطوط) ، مرتّبہ سید ہاشمی فرید آبادی ۔

۴۲- بچوں کے خطوط (دو جلد) -

۴۳- العالم الاسلامی (شائع شدہ در 'دکن ریویو' حیدرآباد دکن بالاقساط) -

۴۴- خطوطِ عبدالحق ، مرتّبہ اکبر الدین صدیقی -

۴۵- افکارِ عبدالحق ، مرتّبہ آمنہ صدیقی -

۴۶- مختلف رسائل میں شائع شدہ مضامین جو کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے - یہ مضامین تعداد میں پچاس سے زیادہ ہیں -

☆ ☆ ☆

۵۔ سہ ماہی ’اردو‘ میں اقبال کے بارے میں جو مضامین شائع ہوئے

(زیرِ ادارت مولوی عبدالحق)

۱۔ اقبال اور خوشحال خاں، از پروفیسر نذیر مرزا برلاس، جولائی ۱۹۵۴ع -
۲۔ اقبال کا تصوّرِ زمان، از سید بشیرالدین، اکتوبر ۱۹۳۸ع -
۳۔ اقبال کی بعض نظموں کا ابتدائی متن، از جلیل قدوائی، اکتوبر ۱۹۵۲ع -
۴۔ رومی، نطشے اور اقبال، از ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، اکتوبر ۱۹۳۸ع -
۵۔ اقبال اور اس کے نکتہ چیں، از آلِ احمد سرور، اکتوبر ۱۹۳۸ع -
۶۔ اقبال کے خطوط، از آلِ احمد سرور، جنوری ۱۹۴۶ع -
۷۔ قطعاتِ تاریخِ وفاتِ اقبال، از حکیم ظہیرالدین احمد قریشی دہلوی، اکتوبر ۱۹۳۸ع -
۸۔ اقبال کا تصوّرِ خودی، از ڈاکٹر عابد حسین، اکتوبر ۱۹۳۸ع -
۹۔ اقبال کی شخصیّت اور پیغام، از ڈاکٹر قاضی عبدالحمید،

اکتوبر ۱۹۳۸ء -

۱۰- شاعر - اقبال کی نظر میں ، از شیخ عبداللطیف صدیقی ، اکتوبر ۱۹۴۲ء -

۱۱- اقبال کی فطرت نگاری ، از ڈاکٹر سید عبداللہ ، جولائی ۱۹۵۱ء -

۱۲- اقبال کے محبوب فارسی شاعر ، از ڈاکٹر سید عبداللہ ، جولائی ۱۹۴۶ء -

۱۳- اقبال کا ذہنی ارتقا ، از ابوظفر عبد الواحد ، اکتوبر ۱۹۳۸ء -

۱۴- اقبال اور ارتقائے تخلیق ، از عزیز احمد ، جولائی ۱۹۵۰ء -

۱۵- اقبال کا نظریۂ فن (۱) ، از عزیز احمد ، جولائی ۱۹۴۹ء -

۱۶- اقبال کا نظریۂ فن (۲) ، از عزیز احمد ، اکتوبر ۱۹۴۹ء -

۱۷- اقبال — ترقی پسند ادیب کی حیثیت سے ، از خواجہ غلام السیّدین ، جنوری ۱۹۴۲ء -

۱۸- علم الاقتصاد ، اقبال کا پہلا علمی کارنامہ ، از مشفق خواجہ ، جولائی ، اکتوبر ۱۹۶۰ء -

۱۹- اقبال کا نظریۂ خودی ، از سید ذوالفقار علی نسیم رضوی ، اکتوبر ۱۹۴۰ء -

۲۰- علامہ اقبال کی آخری علالت ، از سید نذیر نیازی ، اکتوبر ۱۹۳۸ء -

۲۱- تاریخِ وفات سر محمد اقبال ، سید ہاشمی فرید آبادی ، اکتوبر ۱۹۳۸ء -

۲۲- اقبال اور آرٹ ، از ڈاکٹر یوسف حسین خاں ، اکتوبر ۱۹۳۸ع -

۲۳- موت اور حیات—اقبال کے کلام میں ، از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ، اکتوبر ۱۹۴۰ع -

۲۴- سر محمد اقبال ، از سر ڈینسن راس ، اکتوبر ۱۹۳۸ع -

۲۵- اقبال (نظم) ، از پنڈت چاند نرائن وینا ، اکتوبر ۱۹۳۸ع -

۲۶- کلامِ اقبال کی زبان ، از زمہریری ، جولائی ۱۹۵۸ع -

☆ ☆ ☆

٦۔ اقبال کی کتب اور اقبال سے متعلق کتابوں پر تبصرے جو سہ ماہی 'اردو' میں شائع ہوئے

(زیرِ ادارت مولوی عبدالحق)

١- بانگِ درا (اقبال) ، اکتوبر ١٩٢٤ع -
٢- کلیاتِ اقبال (مرتبہ عبدالرزاق) ، جنوری ١٩٢٦ع -
٣- اقبال (احمد دین) ، اکتوبر ١٩٢٦ع -
٤- جوابِ شکوہ (اقبال) ، اکتوبر ١٩٢٨ع -
٥- نیرنگِ خیال کا اقبال نمبر ، جنوری ١٩٣٣ع -
٦- ضربِ کلیم (اقبال) ، اکتوبر ١٩٣٦ع -
٧- فلسفۂ عجم (اقبال) ، جنوری ١٩٣٧ع -
٨- علی گڑھ میگزین (اقبال نمبر) ، جولائی ١٩٣٨ع -
٩- سب رس (اقبال نمبر) ، جولائی ١٩٣٨ع -
١٠- اقبال اور اس کا پیغام ، اپریل ١٩٣٩ع -
١١- جوہرِ اقبال ، اپریل ١٩٣٩ع -
١٢- سیرتِ اقبال (محمد طاہر فاروقی) ، اکتوبر ١٩٣٩ع -
١٣- روحِ اقبال (ڈاکٹر یوسف حسین خاں) ، جولائی ١٩٤٢ع -
١٤- اقبال ۔ اس کی شاعری اور پیغام ، جنوری ١٩٤٧ع -
١٥- مقالاتِ یومِ اقبال ، جنوری ١٩٤٧ع -
١٦- پیغامِ حق (اقبال نمبر) جنوری ١٩٤٧ع -

۱۷- اقبال نامہ (مرتّبہ شیخ عطاء اللہ)، اکتوبر ۱۹۵۱ع -
۱۸- ترجمانِ اسرار ، جولائی ۱۹۵۲ع -
۱۹- شرحِ بانگِ درا ، جولائی ۱۹۵۲ع -
۲۰- شرحِ بالِ جبریل ، جولائی ۱۹۵۲ع -
۲۱- شرحِ ضربِ کلیم ، جولائی ۱۹۵۲ع -
۲۲- اقبالیات کا تنقیدی جائزہ (قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی) ، جولائی ۱۹۵۵ع -
۲۳- ذکرِ اقبال (عبدالمجید سالک) ، اپریل ۱۹۵٦ع -

☆ ☆ ☆

۷۔ روداد آل انڈیا اُردو کانفرنس

(منقول از کانفرنس گزٹ ، علی گڑھ)

'کانفرنس گزٹ' کے پچھلے پرچے میں ہم نے اُردو کانفرنس کے اجلاس کی اطلاع شائع کی تھی جو علی گڑھ میں منعقد ہونے والا تھا ۔ چنانچہ یہ اجلاس ۲۴ ، ۲۵ اکتوبر ، ۱۹۳۶ع کی سہ پہر کو زیرِ صدارت جناب راجا صاحب محمود آباد بالقابہ منعقد ہوا ۔

اس جلسہٗ شوریٰ یا اُردو کانفرنس کا دعوت نامہ مولوی عبدالحق صاحب بی ۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن کی طرف سے جاری ہوا تھا اور علی گڑھ میں صاحبِ موصوف کی طرف سے مولوی رشید احمد صاحب صدیقی ایم ۔ اے پروفیسر مسلم یونیورسٹی جلسے کے اہتمام و انتظام کے لیے مامور تھے ۔

دعوت نامے میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ :

"یہ کانفرنس کوئی عام مجمع نہ ہوگا بلکہ صرف ایسے منتخب اصحاب کو زحمت دی گئی ہے جو زبان کے معاملے میں خاص بصیرت اور تجربہ رکھتے ہیں اور اپنے اپنے صوبے کے نمایندے ہو سکتے ہیں ، تاکہ اس تجویز کے ہر پہلو پر اطمینان کے ساتھ غور و بحث ہو سکے ۔"

اسی بنا پر سکریٹری صاحب "انجمنِ ترقی اُردو" نے اس کانفرنس کے متعلق کوئی عام اعلان نہیں کیا تھا ۔ چنانچہ مختلف مقامات سے

صرف وہی اصحاب شریک ہوئے جن کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی ۔ مہمانوں کے قیام کا انتظام ''اولڈ بوائز لاج'' اور ''سلطان جہاں منزل'' کی عمارت میں کیا گیا تھا ۔ نیز صدر دفتر کانفرنس ، سلطان جہاں منزل ، کے احاطے میں متعدد خیمے بھی مہمانوں کے لیے نصب کیے گئے تھے ۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا پورا عملہ اجلاس کے اہتمام میں مصروف و منہمک تھا ۔ اجلاس کے لیے کانفرنس کا خوب صورت و نفیس ہال تجویز کیا گیا تھا ، جس کا شمار علی گڑھ کی بہترین عمارتوں میں سے ہے ۔ سید الطاف علی صاحب بی ۔ اے ہیڈ اسسٹنٹ دفتر کانفرنس نے اجلاس سے ایک شب پہلے یہ ہال نہایت عمدہ طریقے سے مرتّب کرا دیا تھا ۔

صدر اجلاس جناب راجا صاحب محمود آباد بالقابہ رات ہی کو تشریف لے آئے اور جناب نواب صاحب چھتاری کی کوٹھی پر قیام فرمایا ۔ ۳ بجے سہ پہر کے بعد راجا صاحب جلسہ گاہ میں تشریف لائے ، دروازے پر معزز اصحاب نے استقبال کیا ۔ اس کے بعد ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب پی ایچ ۔ ڈی ، ایم ۔ ایل ۔ اے وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے جناب راجا صاحب کا خیرمقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ میں علیل ہوں اور میرے معالج کی سخت تاکید ہے کہ میں باہر نہ نکلوں اور اِس قسم کے جلسوں میں شرکت نہ کروں ، مگر اس موقع کی اہمیت کی وجہ سے میری طبیعت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اس جلسے میں شرکت نہ کروں ۔ اس لیے میں نے اپنے معالج کی خلاف ورزی کی اور یہاں حاضر ہوا تاکہ آپ کو یقین دلاؤں کہ نہ صرف میں بلکہ یونیورسٹی کے تمام اساتذہ اور عہدہ دار اس تحریک سے پوری دلچسپی رکھتے ہیں ۔

اس موقع کے لیے بحیثیتِ صدر استقبالیہ میں نے جو خطبہ لکھا تھا اس کے پڑھنے سے معذور ہوں ۔ اب میں جناب نواب صدر یار جنگ بہادر سے درخوست کروں گا کہ وہ وائس چانسلر کے قائم مقام ہو کر یہ خطبہ آپ کو سنائیں ۔

اس مختصر تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنی علالت اور ناتوانی کی وجہ سے تشریف لے گئے اور نواب صدریارجنگ بہادر نے ممدوح کا مختصر و پُر مغز خطبہ حاضرین کو پڑھ کر سنایا ۔ خطبے کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے راجا صاحب اور جملہ مہمانوں کا خیرمقدم کیا تھا ۔ اس کے بعد یہ بتایا کہ کسی درسگاہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ تنگ نظری سے پاک ہو ۔ پھر اس سلسلے میں آپ نے اس امر پر اظہار اطمینان کیا کہ ہم سب اُردو کی ترقی کے لیے جمع ہوئے ہیں ، جس نے ہندو مسلمانوں کی صدیوں کی مشترکہ کوشش سے ترقی کی ہے ۔ زبان قوم کی ذہنی ترقی کا خزانہ ہے اور اس کی حفاظت ہر سچے ہندوستانی کا فرض ہے ۔ آپ نے اس پر اظہار افسوس کیا کہ لوگ اس متاع قومی کو برباد کرنا چاہتے ہیں ۔

اس کے بعد آپ نے اُردو کے متعلق سرسید کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے سادہ نثر کی بنیاد رکھی اور علی گڑھ میں مرحوم کا سب سے پہلا کارنامہ ''سائنٹفک سوسائٹی'' کا قائم کرنا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ مختلف علوم کی کتابیں اُردو میں ترجمہ کی جائیں ۔ آپ نے بتایا کہ اس کام میں سرسید کے دوست راجا جے کشن داس بھی شریک تھے ۔ آپ نے صراحت کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ اُردو کی ترقی کے لیے کوشش کرنا کوئی فرقہ وارانہ

تحریک نہیں ہے ، اس کو تمام ملک میں رائج ہونا چاہیے ۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ راجا صاحب محمود آباد ایک بڑے باپ کے بیٹے ہیں اور اس تحریک میں آپ کی شرکت ایک نیک فال ہے ۔

خطبے کے بعد جناب راجا صاحب صدارت کی کرسی پر تشریف لائے اور اس منصبِ جلیل کے عطا کیے جانے پر شکریہ ادا کیا ۔ اس کے بعد صدارت کی طرف سے مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند اور مولوی نورالحسن صاحب نیّر کی رحلت پر اظہارِ ملال کا ریزولیوشن پیش ہوا جو حاضرین نے احتراماً ایستادہ ہو کر پاس کیا ۔

اس کے بعد جنابِ صدر نے اپنا خطبہ ، جو سلیس و شستہ اُردو میں تھا ، بلند آواز اور خطیبانہ انداز میں پڑھ کر سنایا جو حاضرین نے پوری توجہ سے سنا اور خاص خاص فقروں پر صدائے تحسین سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ۔

راجا صاحب نے خطبے کے آغاز میں اِس امر پر اظہار مسرّت کیا کہ اس جلسے میں ہر مذہب و ملّت کے اصحاب دوش بدوش موجود ہیں ۔ اس یک جہتی کی جس قدر قدر کی جائے کم ہے ۔ اس کے بعد آپ نے یہ فرمایا کہ اُردو کا ادب ہندوستان کی مختلف قوموں کی متحدہ کوشش کا ثمر ہے ۔ چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں مثالاً پنڈت رتن ناتھ سرشار اور جناب کیفی دہلوی وغیرہ کی اُن خدمات کی طرف اشارہ کیا جو ان صاحبوں نے اُردو ادب کے متعلق انجام دی ہیں ۔ آپ نے اس سلسلے میں یہ بتایا کہ کسی قوم کا اندازہ اس کے ادب کی خوبی و مقدار سے بھی کیا جاتا ہے ۔ مگر اُردو کی کس مپرسی کی یہ حالت ہے کہ اگرچہ اس زبان کی خدمت کرنے والی ایسی ہستیاں ہیں کہ دوسری زبان ان پر فخر و ناز کرتی ، مگر ہمارے ہاں یہ حالت

ہے کہ میر و سودا کی تصنیفات تک نہایت غلط اور بری چھپی ہیں ۔

اس کے بعد آپ نے زبان کے متعلق سرسید کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اُردو کے پودے کو سینچ سینچ کر بڑھایا اور شاداب کیا ۔ پھر اس سلسلے میں آپ نے انجمن ترقی اُردو اور اس کے سکریٹری مولوی عبدالحق صاحب کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انجمن نے پرانی کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر حاصل کیں اور چھاپیں ۔ اس کے علاوہ انجمن دو نہایت عمدہ رسالے شائع کرتی ہے ، لیکن باوجود ان قابلِ قدر کارناموں کے ابھی یہ ضرورت ہے کہ عام دل چسپی کی کتابیں چھپائی کی خوب صورتی اور صحت و صفائی کے ساتھ چھاپی جائیں جس کے لیے ایک مستقل چھاپہ خانے اور اشاعت خانے کی ضرورت ہے ۔

ایک زمانہ تھا کہ ان سنگی مطبعوں نے کام دیا اور خوب کام دیا مگر اب ایسے خوش نویس نہیں ہیں ۔ روز بروز فنِ خطاطی کا تنزّل ہوتا جاتا ہے ۔ آج کل کی خطاطی کے نمونے بعض دفعہ ریل اور میونسپلٹی کے اعلانوں میں نظر آ جاتے ہیں ۔ آرٹ سکولوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ یہ فن زندہ رہے ۔ نستعلیق ٹائپ ڈھالنے کی جو کوششیں ہوئیں وہ ناکام یاب رہیں ۔ ٹائپ کی ضرورت سے حرفوں کی شکلیں کم و بیش بدلنی پڑی ہیں جس کو عام لوگ پسند نہیں کرتے ۔ نستعلیق ٹائپ بنانے کے لیے اچھے خطاط حاصل کیے جائیں اور کارآمد ٹائپ بنایا جائے ۔ اس کے بعد وسیع پیمانے پر اشاعت خانہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے ۔ یہ سب کام محنت اور روپیہ چاہتے ہیں ۔ ہماری قوم میں نہ محنت کرنے والوں کی کمی ہے اور نہ روپے کی ، صرف اتحاد و التفات اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے ۔

اس کے بعد آپ نے پنجاب کا ذکر کیا کہ وہ کس قدر خدمت آردو زبان کی کر رہا ہے - آردو کے جتنے اخبار اور رسالے پنجاب سے شائع ہوتے ہیں ، دوسرے صوبوں سے شائع نہیں ہوتے -

پنجاب کی خدمات کا تذکرہ کرنے کے بعد آپ نے بتایا کہ آردو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں رائج ہے اور اسے کم سے کم ۱۴ کڑور آدمی بولتے ہیں - اس کو اور زیادہ وسعت دینے کی ضرورت ہے - لیکن بعض مصنّف سلاستِ عبارت کے معنی غلط سمجھے ہوئے ہیں - وہ کتابوں اور رسالوں کی زبان میں اس قدر تکلف برتا کرتے ہیں کہ لفظوں کی زیادتی اور معنوں کی کمی رہ جاتی ہے - اسی وجہ سے بچے اور عورتیں کم لطف اٹھا سکتے ہیں - اس لیے ضرورت ہے کہ سہل آردو کے نمونے شائع کیے جائیں -

آخر میں جنابِ صدر نے ہزاگزالیٹڈ ہائنس اعلیٰ حضرت نظام کا شکریہ ادا کیا کہ حضور ممدوح نے جامعہ عثمانیہ قائم کی جو آردو زبان میں ہر قسم کے علوم کی تعلیم دیتی ہے اور دارالترجمہ قائم کیا جہاں جملہ علوم و فنون کی کتابیں آردو میں ترجمہ کی جاتی ہیں - یہ ایسا احسان ہے کہ جس کے شکریے سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے -

خطبے کے بعد مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی آردو نے انجمن کے متعلق ایک مختصر رپوٹ پڑھی جس میں سب سے پہلے راجا صاحب اور حاضرین کا ان کی تشریف آوری پر شکریہ ادا کیا - آپ نے فرمایا کہ اگر الیکشن کے سودے کی گرم بازاری نہ ہوتی تو اور بھی ایسی صورتیں یہاں نظر آتیں جن کے ہم متوقع تھے - اس کے بعد آپ نے اس کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ابھی یہ کانفرنس ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ لوگوں نے طرح طرح

کی بدگمانیاں اس کے متعلق کیں حالانکہ ہمارا کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں ہے اور نہ ہم کسی سے جھگڑا چاہتے ہیں ۔ انجمن ترقی اردو کسی خاص فرقے کی انجمن نہیں ہے ۔ مسلمان ، ہندو اور عیسائی سب اس میں شریک ہو سکتے ہیں ۔ ہر صوبے کی زبان کو ترقی کا حق حاصل ہے لیکن کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی زبان کو مضرّت پہنچانے کی کوشش کرے ۔ زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ۔ جو اسے بولتا ہے اسی کی زبان ہے ۔ اردو یا ہندوستانی کا خمیر صلح کل کے دامن سے بنا ہے ۔

اس کے بعد آپ نے انجمن کی کارگزاری کا ذکر کیا کہ اس نے کس قدر انقلاب پیدا کیا اور اردو کی کس قدر مفید و نایاب کتابیں تالیف یا ترجمہ کرائیں جن کی تعد ۹۵ تک پہنچ چکی ہے ۔ اس کے علاوہ اردو انگریزی لغت کی ترتیب و تدوین کا کام انجمن کر رہی ہے ۔ لیکن ملک کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے لیے یہ کام کافی نہیں ۔ علم و حکمت اور ادب کی دنیا بدل چکی ہے ۔ اب عام معلومات کی کتابیں کثرت سے شائع کرنے کی ضرورت ہے ۔ اس کے علاوہ اشاعتِ زبان کا کام بھی کرنا ہے ۔

اسی سلسلے میں آپ نے یہ ضرورت ظاہر کی کہ تمام علمی و ادبی اداروں کو ایک سلسلے میں منسلک ہونا چاہیے ۔ آپ نے بتایا کہ اردو کی ترقی و اشاعت کا کام کرنے کے لیے معقول و کافی سرمائے کی ضرورت ہے ۔ اب ٹال مٹول کا وقت نہیں ۔ بہت کچھ وقت گزر گیا ہے ۔ یا تو ہمیں کام کرنا چاہیے یا پھر ہمیشہ کے لیے دست‌بردار ہو جانا چاہیے ۔ اردو زبان کا قصور نہیں ہے ۔ اب تک ہم نے غفلت برتی ہے ۔ اگر آئندہ بھی یہی حالت رہی تو زبان کا باقی رہنا

بھی مشکل ہے -

اس کے بعد آپ نے اس کانفرنس کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کل ہماری مجلسیں بزمِ مشاعرہ ہو کر رہ جاتی ہیں - قصیدہ خوانی ہوتی ہے ، بھاری بھرکم ریزولیوشن پیش کیے جاتے ہیں ، مہمان میزبانوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور میزبان مہمانوں کا - حسبِ ضرورت ہاتھ اٹھا کر تائید کی جاتی ہے - ہم لوگ بالطبع ہنگامہ پسند واقع ہوئے ہیں - ہم بہت سے ریزولیوشن سن چکے ہیں - اب نہ طلاقتِ لسانی کی ضرورت ہے ، نہ ووٹ شماری کی - ایک آدھ کام کی بات بھی ہونی چاہیے - اب یہ معمولی سلسلہ نہیں رہا بلکہ روزبروز پیچیدہ ہوتا جاتا ہے اس لیے اسے سرسری نہیں سمجھنا چاہیے - اس پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھ کر غور کرنا چاہیے کہ اس پر عمل کرنا ہے -

آپ نے سلسلہ تقریر میں یہ بھی ظاہر کیا کہ جو تجویزیں یہاں پیش ہوں گی ، وہ سب متفقہ ہوں گی - اگر کسی تجویز پر سب متفق نہیں ہوں گے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ غیر ضروری ہے - زبان کا بنانا بگاڑنا ہمارے ہاتھ میں ہے - تجویزیں پیش کرنا آسان ہے اور عمل مشکل - جب کوئی تجویز منظور ہو تو اس کے متعلق جد و جہد میں دریغ نہ کرنا چاہیے -

اب یہ بات کہ کیا ہو اور کیوں کر ہو ، اس کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے -

رپورٹ ختم کرنے کے بعد مولوی عبدالحق صاحب نے ان اصحاب کے چند پیغامات سنائے جو کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکے مثلاً ہز اکسیلینسی مہاراجہ کشن پرشاد صدر اعظم باب حکومت کا پیغام جس میں آپ نے عدمِ شرکت پر افسوس کرتے ہوئے یہ

لکھا تھا کہ اُردو زبان ہندو مسلم اتحاد کی یادگار ہے ۔ جس قدر اس کو فروغ ہوگا اتحاد بڑھے گا ۔

اسی طرح سر محمد اقبال ، سرتیج بہادر سپرو اور سندر لال ورما کے پیغامات سنائے گئے ۔ اس کے بعد مولوی عبدالحق صاحب نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ یہ کانفرنس خالص کام کی ہے ۔ اس میں عملی تجویزیں پیش کی جائیں گی ۔ بڑے مجمع میں کام کم ہوتا ہے اس لیے یہ طے کیا گیا ہے کہ ان تجاویز پر غور کرنے کے لیے مختلف کمیٹیاں بنائی جائیں اور ان میں ایسے لوگ شریک ہوں جن کو اُردو سے متعلق خاص دل چسپی اور اس کام کا تجربہ ہے ۔ اس مقصد کے لیے کل مخصوص اصحاب کا ایک جلسہ ساڑھے آٹھ بجے سے ایک بجے تک ہوگا جس میں مختلف کمیٹیاں بنائی جائیں گی ۔ مثلاً ایک کمیٹی ''اصلاحِ زبان'' کے متعلق ہو گی ، ایک ''ادبی کمیٹی'' ہو گی ، ایک کمیٹی طبع و اشاعت کے متعلق مشورہ دینے کی ہو گی ۔ لہذا ہمیں اجازت دی جائے کہ کل ہم ان کمیٹیوں کا انعقاد ایک مقام پر کریں ۔ اور پورے طور پر بحث و غور کرنے کے بعد ان کمیٹیوں کے واسطے نام تجویز کریں ۔ اس کے بعد کل کے اجلاس میں ان کمیٹیوں کے تقرر کی کیفیت ، تجاویز اور ان کے ممبروں کے نام آپ کے سامنے منظوری کے لیے پیش کیے جائیں گے ۔ اس کے بعد مولوی عبدالحق صاحب نے مختلف کمیٹیوں کی ممبری کے لیے چند ناموں کا اعلان کیا جو سرسری طور پر تجویز کر لیے گئے تھے ، اور ان سے درخواست کی کہ وہ کل ساڑھے آٹھ بجے صبح مشورے کے لیے اولڈ بوائز لاج میں جمع ہو جائیں ۔

اس کارروائی کے بعد سب کے آخر میں جناب راجا صاحب

محمود آباد نے اعلان کیا کہ میں کل ۲۵ اکتوبر کے اجلاس کے لیے نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام سیاسیات حیدر آباد دکن کا نام تجویز کرتا ہوں۔ اس اعلان کے بعد اجلاس برخاست ہوا۔

اجلاس کے بعد سب مہمان مع راجا صاحب محمود آباد اس پُرتکلف ٹی پارٹی میں شریک ہوئے جو سلطان جہان منزل کے ''چمن'' میں انجمن اردوئے معلیٰ (مسلم یونیورسٹی) کی طرف سے دی گئی تھی۔ پارٹی کا انتظام نہایت خوبی و خوش اسلوبی اور سلیقے سے کیا گیا تھا۔ اکل و شرب کا سلسلہ نماز مغرب کے قریب تک جاری رہا۔ اس کے بعد اکثر مہمانوں نے کالج کی مسجد میں نمازِ مغرب ادا کی اور نماز کے بعد ''حامد یونین ہال'' میں تشریف لے گئے جہاں پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے اردو زبان کے متعلق اپنا ایک پُرمغز مقالہ پڑھا جس کا عنوان تھا ''اردو ہماری زبان''۔ یہ مقالہ دل چسپی سے سنا گیا۔ اس کے بعد سرسید ہال کی طرف سے ''اسٹریچی ہال'' میں ڈنر دیا گیا، جس میں جملہ مہمان شریک تھے۔ ڈنر کے بعد ۲۴۔ اکتوبر کا پروگرام ختم ہوا۔

اردو کانفرنس کا اجلاس نمبر ۲

کانفرنس گزٹ کے پچھلے پرچے میں ہم اردو کانفرنس کے پہلے روز کے حالات شائع کر چکے ہیں۔ دوسرے روز ۹ بجے صبح کو مخصوص اصحاب کا ایک جلسہ ''اولڈ بوائز لاج'' میں منعقد ہوا تاکہ جو مختلف کمیٹیاں تجویز کی گئی ہیں ان کے لیے ممبروں کا انتخاب کیا جائے، نیز دوسرے ضروری امور طے کیے جائیں۔ یہ جلسہ زیر صدارت ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی منعقد ہوا اور کافی بحث

کے بعد مختلف کمیٹیاں اور ان کے ممبروں کے نام تجویز کیے گئے ۔

یہ کمیٹیاں حسب ذیل تھیں : (۱) اصلاحِ زبان کی کمیٹی (۲) ادبی کمیٹی (۳) اشاعت خانے کی کمیٹی ۔

اصلاحی کمیٹی کا یہ مقصد قرار دیا گیا کہ وہ زبان کے اختلافی مسائل کے متعلق ملک کے سربرآوردہ ادیبوں اور شاعروں کی رائیں حاصل کر کے ان رایوں کی بنا پر کوئی فیصلہ صادر کرے اور ان کی ترویج و اشاعت کی کوشش کرے ۔ نیز یہ کہ ان تمام تجویزوں پر غور کرے اور ان کا فیصلہ صادر کرے جو اُردو رسم الخط سے تعلق رکھتی ہوں ، اور اُردو کے طریقۂ طباعت پر بھی غور کرے ، یعنی رسم‌الخط کی اصلاح اور طباعت کی سہولت کے وسائل بہم پہنچائے ۔

یہ بھی طے پایا کہ [ادبی] کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ وہ دس ناموں کا اور اضافہ کرے ۔ اس کمیٹی کے حسبِ ذیل مقاصد قرار دے گئے :

۱۔ ادبی و علمی کتابیں اور رسالے شائع کرنا ۔

۲۔ مناسب کتابوں کے ترجمے کے لیے یا تالیف و تصنیف کے لیے انتخاب اور اس کے لیے مؤلفین و مصنفین تجویز کرنا ۔

۳۔ ضروری مسائل پر کتابیں اور رسالے لکھوانا ۔

۴۔ اشاعت کے لیے کم یاب کتابیں منتخب کرنا ۔

مندرجہ بالا مقاصد جو غور و بحث کے بعد طے پائے ، ہم نے اجمالاً عرض کر دیے ہیں ۔ اس کے بعد اشاعت خانے کی کمیٹی کے لیے نام تجویز کیے گئے ۔ یہ کمیٹی عارضی ہو گی ، اس کا کام یہ ہو گا کہ وہ ''اُردو اشاعت خانہ'' کے متعلق ایک اسکیم تیار کرے تا کہ

کتابیں تجارتی اصول پر عمدہ طریقے سے شائع ہو سکیں ۔

مندرجہ بالا کمیٹیوں کے ممبر منتخب ہو جانے کے بعد مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اُردو نے یہ تجویز پیش کی کہ انجمن کا مستقر کسی مرکزی مقام پر ہو اور وہاں اس کے دفتر ، کتب خانے اور دارالاشاعت وغیرہ کے لیے عمارتیں تعمیر کی جائیں ۔

مولوی عبدالحق صاحب نے اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس مقصد کے لیے دہلی بہترین جگہ ہے جو حکومتِ ہند کا مرکز بھی ہے ۔ چنانچہ بالاتفاق یہ طے ہوا کہ ''انجمن ترقی اُردو'' کا مرکز دہلی قرار دیا جائے ۔ اس کے ساتھ یہ بھی قرار پایا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ، انجمن کے دفاتر وغیرہ دہلی میں منتقل کر دیے جائیں ۔ نیز یہ بھی طے پایا کہ اُردو کی کتابوں کا ایک وسیع ''کتب خانہ'' اور ''اشاعت خانہ'' بھی قائم کیا جائے ۔

انجمن کے مرکز کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد یہ تجویز ہوا کہ ہر صوبے کے اضلاع میں اُردو کی توسیع و ترقی کے متعلق کام کریں ۔ بعض صوبوں میں ان کی وسعت یا ضرورت کے لحاظ سے دو تین حلقے بنا دیے گئے ۔ ہر کمیٹی اپنے اپنے حلقے میں کام کرے گی ۔ یہ بھی طے پایا کہ ہندوستان میں انجمن ترقی اُردو کی شاخیں قائم کی جائیں ۔

یہ سب شاخیں مرکزی انجمن کے مشورے سے اُردو کی ترقی و اشاعت کا کام کریں گی ۔ کام کی نوعیت حسبِ ذیل ہوگی :

۱- اُردو کے مکاتب قائم کرنا ۔

۲- بالغ العمر اور پیشہ ور لوگوں کے لیے مدارسِ شبینہ قائم کرنا ۔

۳- اُردو کی توسیع و اشاعت کے لیے صوبے میں دورہ کرنا ۔

۴- ادبی جلسے منعقد کرنا ۔
۵- سرکاری مدارس اور عدالتوں میں اُردو کے قائم رکھنے اور رواج دینے کے لیے کوشش کرنا ۔

یہ جلسہ جو مندرجہ بالا اغراض کے لیے منعقد ہوا تھا ، تقریباً ایک بجے ختم ہوا اور اس کے بعد جملہ مہمان نواب صدر یار جنگ بہادر کی کوٹھی حبیب منزل پر تشریف لے گئے ، جہاں سب کے لیے وسیع پیمانے پر دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا ۔ دو بجے کے قریب سب مہمان کوٹھی سے رخصت ہوئے تاکہ اُردو کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں شرکت کریں جو ۳ بجے سہ پہر کو منعقد ہونے والا تھا ۔

۳ بجے سہ پہر کے بعد اُردو کانفرنس کا دوسرا اجلاس حسبِ اعلانِ سابق ، زیرِ صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام سیاسیات آصفیہ منعقد ہوا ۔

جنابِ صدر نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ گزشتہ روز کی تجویز کے مطابق جو کمیٹیاں بنائی گئی تھیں ان کے ممبروں کے نام ، نیز جو تجاویز پیش ہوئی تھیں ، ان کی تفصیل مولوی عبدالحق صاحب پڑھ کر سنائیں گے ۔

جنابِ صدر کے اس اعلان کے بعد مولوی عبدالحق صاحب نے مختصر الفاظ میں ہر کمیٹی کے مقاصد اور اس کے ممبروں کے نام حاضرین کے سامنے پیش کیے ۔ نیز مختلف صوبوں میں شاخیں قائم کرنے کی جو تجاویز منظور ہوئی تھیں اس کی تفصیلات بیان کیں ۔ اور یہ بتایا کہ کس کس صوبے اور دیسی ریاست میں انجمن کی شاخیں قائم کی جائیں گی ۔ بعض بعض صوبوں کی کمیٹیوں کے لیے عہدہ داروں کے کچھ نام تجویز کر لیے گئے تھے ، یہ نام بھی سنائے

گئے - اس سلسلے میں آپ نے یہ بھی بیان کیا کہ سر سید راس مسعود بحیثیت مستقل صدر انجمن ترقی اُردو ، نیز انجمن کے سکریٹری بحیثیت عہدہ ہر کمیٹی میں شریک سمجھے جائیں گے - اس کے بعد جناب صدر نے اجلاس کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے ایک مختصر تقریر کی -

آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ یہ جلسہ بہت کامیاب رہا - آپ نے ایسا بہت کم دیکھا ہوگا کہ کسی جلسے میں ایسی عملی تجاویز بالاتفاق منظور ہوں - صرف خفیف ترمیمات پیش کی گئیں - مثلاً کمیٹی کے ممبروں کی مدّت کا تعیّن - اور کوئی اہم اعتراض کسی کارروائی پر نہیں ہوا - اب ہمارے لیے جو بات باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانا ہے -

اس انجمن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محض ایک عملی کام کرنے والی جماعت ہے - اس کو کسی دوسری زبان سے رقابت نہیں ہے - یہ انجمن اُردو کی ترقی کے لیے کوشش کرتی ہے جس کو ۱۰ کروڑ انسان بولتے ہیں اور سمجھتے ہیں - اُن علاقوں میں بھی ، جہاں مرہٹی یا گجراتی وغیرہ بولی جاتی ہے ، اُردو کے سمجھنے والے موجود ہیں - یہاں تک کہ ہندوستان کے باہر ماریشس وغیرہ میں بھی لوگ اُردو بولتے ہیں - ہندوستان کی کوئی اور ایسی زبان نہیں جس کو ہندوستان کے باہر لوگ بولتے ہوں -

سلسلۂ تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اُردو میں اگر بے ضرورت دوسری زبان کے الفاظ داخل کیے جائیں گے ، خواہ وہ عربی ہو یا سنسکرت ، تو اس سے اُردو کو نقصان پہنچے گا - کیونکہ یہ ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے ، لہٰذا یہ کوئی دانشمندی نہیں کہ ہم اس کو ۱۰ کروڑ سے علیٰحدہ کر کے مخصوص کر دیں -

اتحاد و اتفاق کا بڑا عنصر اتحادِ زبان بھی ہے ، یہ قائم رہنا چاہیے - البتہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اردو کس خط میں لکھی جائے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ جلد لکھا جائے اور جگہ تھوڑی گھیرے تو وہ فارسی رسم الخط میں لکھے ، برخلاف اس کے اگر کوئی چاہتا ہے کہ زیادہ جگہ گھرے اور جیسی آواز ہو ویسا ہی لکھ دے تو وہ ناگری میں لکھے -

اردو کے متعلق ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ وہ درباری زبان ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے ، حالانکہ یہ صحیح نہیں - جن لوگوں نے اردو کے نشو و نما کی تاریخ پڑھی ہے اور پرانی تحریروں کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اردو کب پیدا ہوئی اور اس نے کس طرح ترقی کی ؟ اردو میں ترقی کی حیرت انگیز استعداد ہے اور وہ علمی زبان بن سکتی ہے - چنانچہ حیدر آباد میں ریاضی اور کیمیا کی کتابیں نہ صرف اردو میں ترجمہ کی گئی ہیں بلکہ پڑھایا بھی اردو میں جاتا ہے - اردو میں اس قدر وسعت پیدا ہو گئی ہے کہ کوئی خیال ، خواہ وہ کیسا ہی مشکل ہو ، بے تکلف ادا ہو سکتا ہے ، اور یہ زبان ایک علمی زبان اور ذریعۂ تعلیم بن سکتی ہے - اب تک یورپ کو یہ خیال ہے کہ ہندوستانیوں کے پاس کوئی ایسی زبان نہیں جس کے ذریعے سے علوم کی تعلیم دی جا سکے - لیکن ''جامعۂ عثمانیہ'' نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے - حیدر آباد میں ثانوی تعلیم بھی اسی زبان میں دی جاتی ہے - یہ زبان سارے ملک کی زبان ہے اور ہونی چاہیے -

نواب مہدی یار جنگ بہادر نے سلسلۂ تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ ہماری جامعہ کا معیار کسی جامعہ سے کم نہیں - بلکہ بہت

سی جامعات سے زیادہ بلند ہے اور باہر کے ممتحنین ہماری جامعہ کے طلبہ کے جوابات پسند کرتے ہیں ۔ اور جو طلبہ یورپ کی جامعات میں جاتے ہیں ، وہ امتیاز کے ساتھ کام یاب ہوتے ہیں ۔

اسی سلسلے میں جناب صدر نے دارالترجمہ کا ذکر بھی فرمایا جو سائنس ، ریاضی اور دوسرے علمی مضامین کی کتابیں اُردو زبان میں شائع کرتا ہے ۔ آپ نے اس تجویز پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا کہ انجمن ترقیِ اُردو کا دفتر اور کاروبار دہلی میں منتقل کر دیا جائے ، جو ہندوستان میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کے بعد آپ نے مولوی عبدالحق صاحب کے اس شغف کا تذکرہ کیا جو آپ کو اُردو کے ساتھ ہے ، اور انجمن کی کام یابی کے لیے دعا فرمائی ۔

جنابِ صدر کی تقریر کے بعد نواب صدر یار جنگ بہادر نے ممدوح کی اس زحمت فرمائی کا شکریہ ادا کیا کہ وہ حیدر آباد سے طویل سفر کر کے یہاں تشریف لائے اور اس موقع پر ایک پُر مغز و معنی خیز تقریر فرمائی ۔

آپ نے فرمایا کہ نواب مہدی یار جنگ بہادر ایک بڑے نامور اور فخرِ قوم و ملک بزرگ نواب عماد الملک مرحوم کے بیٹے ہیں ۔ مرحوم کو علم و ادب کے ساتھ ایک خاص شغف تھا ۔ مجھے حیدر آباد کی بارہ برس کی حاضری میں مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کے علمی ذوق کو دیکھنے کا بہت موقع ملا ۔ میں ایک واقعہ ان کے شوق کا سناؤں ۔ کانفرنس کے ایک اجلاس میں قدیم و نادر علمی کتابوں کے فراہم کرنے کی ایک تحریک منظور ہوئی ۔ پھر اس کے متعلق ایک اپیل شائع کی گئی ۔ اس کی ایک کاپی نواب عماد الملک مرحوم کی خدمت میں بھیجی گئی جس کو پڑھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے ،

اور لکھا کہ اپیل میرے سامنے ہے اور میں رو رہا ہوں اور شرمندگی کے ساتھ ایک ہزار کا چیک بھیجتا ہوں ، کیونکہ اس وقت زیادہ مدد کرنے سے مجبور ہوں ۔

نواب مہدی یار جنگ بہادر اسی نامور باپ کے بیٹے ہیں اور ان کو بھی اپنے باپ کی طرح علومِ مشرقیہ کا شوق ہے ۔ اگرچہ انھیں دوسرے مشاغل کی وجہ سے عربی علوم کی تکمیل کا موقع نہیں ملا لیکن وہ مشکل مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، اور علومِ قدیمہ کی ترقی سے انھیں دلی خوشی ہوتی ہے ۔ اور یہ اسی شوق کا نتیجہ ہے کہ وہ یہاں تشریف لائے اور اجلاس کی صدارت فرمائی ۔ ان کی دل چسپی اس اجلاس تک ختم نہیں ہوگی ۔

میں نواب صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ صحت و عافیت کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت میں مصروف رہیں ۔

نواب صدر یار جنگ بہادر کی تقریر کے بعد مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو نے ایک مختصر اختتامی تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں نے اردو کانفرنس کے لیے تحریک کی تو احباب نے یہ مشورہ دیا کہ کانفرنس کی جوبلی کے زمانے میں یہ جلسہ ہونا چاہیے لیکن میں نے یہ پسند نہیں کیا ۔ اس صورت میں ہمیں ہرگز یہ اندازہ نہ ہوتا کہ خاص اردو کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے کتنے لوگ آئے ؟ اس کے بعد آپ نے اس پر اظہارِ مسرت کیا کہ اس کانفرنس میں تقریباً ہر صوبے کے نمائندے موجود ہیں ۔ پھر آپ نے نواب صدر یار جنگ بہادر اور نواب مسعود جنگ بہادر کا ذکر کیا کہ انھوں نے کس قدر حوصلہ افزائی کی ۔ اس کے بعد نواب مہدی یار جنگ بہادر کے ذوقِ ادب کا تذکرہ کیا کہ جب میں نے ممدوح سے

آردو کانفرنس کی تجویز کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں خود چاہتا ہوں ۔ چنانچہ اسی وقت اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض داشت لکھی اور یہاں آنے کی اجازت حاصل کی ۔ اس کے بعد راجا صاحب محمود آباد کا شکریہ ادا کیا کہ وہ ایک دوسری جگہ صدارت قبول کر چکے تھے ۔ جب آردو کانفرنس کی صدارت کے لیے ممدوح سے درخواست کی گئی تو آپ نے اس کو منسوخ کر دیا اور یہاں کی صدارت قبول فرمائی ۔ یہ ایک نیک شگون ہے ۔

مولوی عبدالحق صاحب کی تقریر کے بعد اجلاس ختم ہوا اور سب سہانوں نے مع راجا صاحب محمود آباد اس پُرتکلف اور باسلیقہ ٹی پارٹی میں شرکت فرمائی جو ''انجمن تاریخ اسلام'' مسلم یونی ورسٹی کی طرف سے ''سوئمنگ باتھ ٹینس لان'' پر دی گئی تھی ۔ نماز مغرب کے بعد یونین ہال میں انجمن تاریخ اسلام کے افتتاح کا ایک شان دار جلسہ ہوا جس میں مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک معرکۃ الآرا تقریر فرمائی ۔ اس کے بعد سب سہانوں نے اس ڈنر میں شرکت کی جو وقار الملک ہال کی طرف سے دیا گیا تھا ۔

مختلف اربابِ علم اور بعض مشاہیر کی شرکت کے لحاظ سے آردو کانفرنس کا یہ اجلاس کام یاب رہا ۔ خصوصاً یہ پہلو قابل لحاظ ہے کہ متعدد ہندو اصحاب مثلاً پنڈت دتاتریہ کیفی اور ساحر دہلوی وغیرہ نے بھی اس میں فراخ دلی سے شرکت کی ۔

(''آردو'' اکتوبر ، ۱۹۳۶ع ، ص ۶۸۰-۷۰۰) ۔

☆ ☆ ☆

Grand Hotel,

Simla, the 23rd Sep.1937.

Dear Sir,

I am glad that you are taking very keen interest in the affairs of the Mussalmans and particularly with regard to the question of Hindi-Urdu controversy. You know that the session of the All-India Muslim League is fixed for the 15th, 16th and 17th October to take place at Lucknow and I shall feel extremely obliged if you could attend the meeting of the Council of the All-India Muslim League which will also take place there. As I am sure we should like to hear your well considered views and opinion with regard to this controversy,& I feel that it will

assist immensely the Council of the All-India Muslim League in forming a definite opinion with regard to this important question of language; I hope that you will make it a point to attend the session.

Yours sincerely,

Maulvi Abdul Haq,

Hyderabad(Deccan).

۸۔ نامۂ سر تیج بہادر سپرو

مخدومی و محترمی جناب عبدالحق صاحب

تسلیم و نیاز ۔ جب میں تین ہفتے کے قریب ہوتے ہیں کہ حیدر آباد میں خدمتِ عالی میں حاضر ہوا تھا ۔ اس وقت میں نے برسبیلِ تذکرہ اقبال مرحوم کی صناعی کی تعریف کی تھی اور تمثیلاً یہ عرض کیا تھا کہ پچھلی فروری میں میں جب لاہور میں تھا اور ان سے ملنے گیا تھا ، میرے ساتھ میرے داماد پنڈت چاند نرائن رینا ، جو پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں اور جن کو اقبال صاحب سے تلمّذ کا فخر حاصل ہے ، گئے تھے ۔ انھوں نے کچھ عرصہ ہوا چند اشعار اقبال صاحب کے متعلق لکھے اور مجھ کو سنائے ۔ میں نے ان سے کہا کہ اپنے استاد کی موجودگی میں ان اشعار کو پڑھیں ۔ چنانچہ انھوں نے مرحوم کو وہ اشعار سنائے اور انھوں نے بہت تعریف کی لیکن ایک مصرعے میں کچھ اصلاح دی ۔ چوتھے شعر کا پہلا مصرع پنڈت چاند نرائن نے حسبِ ذیل لکھا تھا :

تیرے جذبوں نے دیا ہے مری فطرت کو فروغ

اقبال صاحب نے فوراً مصرع میں حسبِ ذیل اصلاح کی :

تیرے جذبوں نے کیا ہے میری فطرت کو بلند

میں نے عزیزِ موصوف کو لکھ کر وہ اشعار منگائے ہیں اور میں آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں ۔ انھوں نے چوتھے مصرع کو اب یوں

تبدیل کر لیا ہے :

ساغرِ دل میرا جذبوں سے ترے لبریز ہے

مجھے آپ کے اقبال نمبر کا بڑا انتظار ہے ۔ اقبال نے اپنے ایک شعر (بالِ جبریل ، ص ۳۵) میں اپنی زندگی کا پورا اور سچا نقشہ کھینچا ہے :

پُرسوز و نظر باز و نکوبین و کم آزار
آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند !

اور اپنے فلسفے اور شاعری کے بارے میں شاعرانہ تعلّی کے ساتھ نہیں بلکہ صداقت کے ساتھ ایک شعر لکھا ہے :

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ مےخانہ

اور اسی خیال کو اپنے ایک فارسی شعر میں یوں ادا کیا ہے :

نہ شیخِ شہر نہ شاعر نہ خرقہ پوش اقبال
فقیرِ راہ نشین است و دل غنی دارد

اقبال کے ساتھ میرے خیال میں وہ لوگ بڑی ناانصافی کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وہ محض اسلامی شاعر تھا ۔ یہ کہنا اس کے دائرۂ اثر کو محدود کرنا ہے ۔ یہ ضرور ہے کہ اس نے اسلامی فلسفہ ، اسلامی عظمت اور اسلامی تہذیب پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن کسی نے آج تک ملٹن کے لیے یہ نہیں لکھا کہ وہ عیسائی مذہب کا شاعر تھا ۔ یا کالیداس کے نسبت یہ کہہ کر کہ وہ ہندو مذہب کا شاعر تھا ، اس کے اثر کو نہ محدود کیا اور نہ اور مذہب کے آدمیوں نے اس وجہ سے اس کی قدردانی میں کمی کی ۔ اگر وہ اسلامی تاریخ کے بڑے کارناموں کے بارے میں یا اسلامی عظمت

کا تذکرہ کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ غیر مسلم اس کی قدر نہ کریں - ''بال جبریل'' میں (میں صرف تمثیلاً عرض کرتا ہوں) جو نظم متعلقِ 'ہسپانیہ' لکھی ہے اس کا اثر صرف مسلمانوں ہی کے دل پر ہو سکتا ہے - ان کے تین اشعار کی طرف میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں - وہ اشعار یہ ہیں :

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی
باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں
دیکھا بھی دکھایا بھی ، سنایا بھی سنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں نہ خبر میں

شاعری اور تخیّل ایک طرف ، ان اشعار کی زبان دوسری طرف - آج کل جو مسئلہٗ زبان کے اوپر بحث چھڑی ہوئی ہے اس پر اکثر غور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ جس زبان میں یہ درد ، یہ قدرت اور یہ وسعت ہے جو ان اشعار سے پائی جاتی ہے ، اس کو ہم کیوں چھوڑیں - مگر زمانے کی رفتار بدلی ہوئی ہے ، رنگ بدلا ہوا ہے - خلاصہ یہ کہ مزاجِ یار دگرگوں ہے ، ایجاد اور مرجاد کا مقابلہ ہے ، خدا معلوم ہم کہاں سے کہاں پہنچیں - آپ الہ آباد کب تشریف لائیں گے ؟ آئندہ آپ اگر غریب خانے پر قیام نہ کریں گے تو مجھے شکایت ہوگی - زیادہ نیاز -

نیاز کیش
تیج بہادر سپرو[1]

۱- ''اُردو'' اورنگ آباد ، جنوری ۱۹۳۸ع ، ص ۲۲۷ -

۹۔ کتابیات

۱۔ اقبال نامہ ، مرتّبہ شیخ عطاء اللہ (دو حصے) ، لاہور ۔

۲۔ انوار اقبال ، مرتّبہ بشیر احمد ڈار ، کراچی ، ۱۹٦۷ع ۔

۳۔ پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ، سید ہاشمی فرید آبادی ، کراچی ، ۱۹۵۳ع ۔

۴۔ شاد اقبال ، مرتّبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ، حیدرآباد دکن ، ۱۹۴۲ع ۔

۵۔ اقبال کے حضور میں ، سید نذیر نیازی ، کراچی ، ۱۹۷۱ع ۔

٦۔ مضامین اقبال ، مرتّبہ تصدق حسین تاج ، حیدر آباد دکن ، ۱۹٦۳ع ۔

۷۔ اقبال — شاعر اور فلسفی (بزبان انگریزی) ، پاک جرمن فورم ، کراچی ، ۱۹٦۰ع ۔

۸۔ اقبال اور بھوپال ، از صہبا لکھنوی ، اقبال اکیڈمی ، کراچی ، ۱۹۷۳ع ۔

۹۔ علم الاقتصاد ، از اقبال ، مرتّبہ خورشید احمد ، اقبال اکیڈمی ، کراچی ، ۱۹٦۱ع ۔

۱۰۔ ''لاہور — ماضی اور حال'' (بزبان انگریزی) ، لاہور ، ۱۹۵۲ع ۔

۱۱- حرفِ اقبال ، لاہور ، ۱۹۴۵ع -
۱۲- خطباتِ عبدالحق ، اشاعتِ ثانی ، کراچی ، ۱۹۶۴ع -
۱۳- پاکستان میں اردو کا المیہ ، از مولوی عبدالحق ، کراچی -
۱۴- اردوے مصفّٰی ، مرتّبہ ہاشمی فرید آبادی ، لاہور ، ۱۹۶۱ع -
۱۵- اقبال کی تمام تصانیف -
۱۶- ''نقوش'' ، لاہور ، لاہور نمبر ، ۱۹۶۲ع -
۱۷- روزنامہ ''انقلاب'' ، لاہور ، مؤرخہ ۹ اور ۱۱ نومبر ، ۱۹۳۶ع -
۱۸- رسالہ ''تہذیبِ نسواں''، لاہور، بابت ۵ دسمبر ۱۹۳۶ع -
۱۹- ماہنامۂ ''قومی زبان'' کراچی ، شمارہ جات بابت اپریل ، ۱۹۶۶ع ، و بابائے اردو نمبر ۱۹۶۶ع -
۲۰- سہ ماہی ''اردو'' ، اورنگ آباد ، دہلی ، کراچی ، حسب ذیل شمارے :
۱۹۲۴ع ، شمارہ اکتوبر -
۱۹۲۶ع ، شمارہ جات جنوری ، اکتوبر -
۱۹۲۸ع ، شمارہ اکتوبر -
۱۹۳۳ع ، شمارہ جنوری -
۱۹۳۶ع ، شمارہ اکتوبر -
۱۹۳۷ع ، شمارہ جنوری -
۱۹۳۸ع ، شمارہ جات جولائی و اکتوبر -
۱۹۳۹ع ، شمارہ جات اپریل و اکتوبر -

۱۹۴۰ء ، شمارہ اکتوبر ۔

۱۹۴۲ء ، شمارہ جات جنوری ، جولائی و اکتوبر ۔

۱۹۴۶ء ، شمارہ جات جنوری و جولائی ۔

۱۹۴۷ء ، شمارہ جنوری ۔

۱۹۴۹ء ، شمارہ جات جولائی و اکتوبر ۔

۱۹۵۰ء ، شمارہ جولائی ۔

۱۹۵۱ء ، شمارہ جات جولائی و اکتوبر ۔

۱۹۵۲ء ، شمارہ جات جولائی و اکتوبر ۔

۱۹۵۴ء ، شمارہ جولائی ۔

۱۹۵۵ء ، شمارہ جولائی ۔

۱۹۵۶ء ، شمارہ اپریل ۔

۱۹۵۸ء ، شمارہ جولائی ۔

۱۹۶۰ء ، مشترکہ شمارہ جولائی و اکتوبر ۔

۱۹۶۲ء ، بابائے اردو نمبر ۔

☆ ☆ ☆

اشاریہ

مرتبہ احمد رضا

۱۔ اشخاص ۔

۲۔ مقامات ، ادارے ۔

۳۔ کتب ، رسائل ، اخبارات ، مضامین ، نظمیں ۔

اشخاص

الف

آغاز خان : ۱۴ -

آفتاب احمد خاں ، صاحب زادہ : ۲۱ -

آل احمد سرور : ۳۱ -

ابو الکلام آزاد ، مولانا : ۳ ، ۲۳ ، ۶۱ -

احمد حسن ، شیخ : ۱۷ ، ۱۸ -

احمد دین ، مولوی وکیل : ۲۸ ، ۹۶ ، ۹۷ -

افسر الملک : ۱۹ -

اقبال ، علامہ ، سر محمد : ۲ ، ۶ ، ۷ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۷ ، ۲۱ ، ۲۷ تا ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۵ تا ۴۷ ، ۴۹ تا ۷۰ ، ۷۳ ، ۷۷ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۹۰ ، ۹۲ تا ۱۰۰ ، ۱۰۲ تا ۱۰۸ ، ۱۲۷ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ -

اکبر حیدری ، سر : ۴۸ ، ۵۰ ، ۵۹ ، ۶۶ -

الطاف علی ، سید : ۱۲۰ -

الف دین ، مولوی : ۳۲ -

امتیاز علی ، شیخ : ۱۷ -

امین الدین ، حکیم : ۳۲ -

انتھنی میکڈانل : ۱۶ -

انیس ، میر : ۳۸ -

اورنگ زیب ، شہنشاہ : ۲۰ -

ب

باباے اُردو (دیکھیے : عبدالحق ، مولوی) -

برج موہن کیفی دتاتریہ : ۳۷ ، ۱۲۸ ، ۱۳۶ -

بشیر احمد ڈار : ۶ ، ۲۷ ، ۳۲ -

بشیر احمد ، میاں : ۱۳ ، ۱۴ -

بہار ، ملک الشعرا : ۵۶ -

پ

پریم چند : ۱۲۳ -

پنڈت برجموہن کیفی : (دیکھیے برجموہن کیفی دتاتریہ) -

ت

تصدق حسین تاج : ۳۶ ، ۳۷ ، ۶۵ -

تیج بہادر سپرو (دیکھیے سر تیج
بہادر سپرو) -

ٹ

ٹامس آرنلڈ ، پروفیسر : ۲۱ -
ٹیگور : ۹۵ ، ۹۶ -

ج

جوش ملسیانی : ۳۸ -
جہانگیر ، شہنشاہ : ۱۷ -

چ

چاند نرائن رینا ، پنڈت : ۱۳۷ -
چودھری محمد حسین : ۱۰۸ -

ح

حالی ، خواجہ الطاف حسین : ۱۸ ،
۲۵ ، ۲۹ ، ۹۳ ، ۱۰۶ -
حبیب الرحمٰن شروانی : ۲۱ -
حبیب اللہ رشدی : ۲۱ -
حسن بلگرامی ، میجر، سید : ۲۱ -
حفیظ جالندھری : ۳۸ -
حکیم قرشی : ۵۵ -
حکیم نابینا : ۵۵ -
حمید احمد خاں ، پروفیسر : ٦ -

خ

خواجہ گیسو دراز : ۲۳ -

د

داغ دہلوی : ۳۸ -
دیوان سنگھ مفتون : ۲۲ -

ڈ

ڈاکٹر انصاری : ۲۲ -
ڈاکٹر باسط : ۵۵ -
ڈینی سن راس (دیکھیے سر ڈینی
سن راس) -

ذ

ذاکر حسین ، ڈاکٹر : ۲۳ -
ذوق ، شیخ ابراہیم : ۳٦ -

ر

رابعہ دورانی ، ملکہ : ۲۰ -
راجا جے کشن : ۱۲۱ -
راجا صاحب محمود آباد : ۱۱۹ ،
۱۲۰ ، ۱۲۲ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ،
۱۳٦ -
راس مسعود (دیکھیے سر راس
مسعود) -
رام : ۸۵ -
رتن ناتھ سرشار ، پنڈت : ۱۲۲ -
رحیم الدین کمال ، ڈاکٹر : ۲۰ -
رشید احمد صدیقی : ۲۵ ، ۱۱۹ -

ز

زور ، ڈاکٹر محی الدین قادری : ۲۷ -

س

ساحر دہلوی : ۱۳۶ -
سارٹن : ۶ ، ۲۷ ، ۵۳ ، ۶۸ تا ۷۰ -
سر تیج بہادر سپرو : ۲۹ ، ۱۲۷ ، ۱۳۷ ، ۱۳۹ -
سر راس مسعود : ۲۸ ، ۱۳۲ -
سر سید احمد خان : ۱۰ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۵ ، ۳۳ ، ۳۶ ، ۶۳ ، ۶۷ ، ۱۰۳ ، ۱۰۶ ، ۱۱۰ ، ۱۲۱ ، ۲۲۳ -
سرکشن پرشاد ، مہارجہ : (دیکھیے : کشن پرشاد) -
سر محمد شفیع : ۳۲ -
سر مرزا اسماعیل : ۲ -
سندر لال ورما : ۱۲۷ -
سوامی تیرتھ رام : ۸۵ -
سودا : ۳۶ ، ۱۲۳ -
سید سلیمان ندوی : ۶۱ ، ۱۳۶ -

ش

شبلی نعمانی ، علامہ : ۱۸ ، ۲۱ ، ۳۶ -
شمس الامراء : ۶۷ -
شوکت علی ، مولانا : ۶۱ -
شہسوار الدین : ۵۸ -

ص

صدر یار جنگ ، نواب : ۱۲۱ ، ۱۳۱ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ -
صہبا لکھنوی : ۵۵ ، ۶۰ -

ض

ضیاء الدین احمد ، ڈاکٹر : ۱۲۰ -

ظ

ظفر علی خاں ، مولانا : ۱۹ ، ۵۶ ، ۱۰۸ -
ظفر علی ڈسٹرکٹ جج : ۳۲ -

ع

عابد حسین ، ڈاکٹر : ۳۱ -
عبدالحق ، محدث دہلوی : ۵۴ -
عبدالحق ، ڈاکٹر ، مولوی : ۱ تا ۱۰ ، ۱۲ تا ۳۱ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۳۹ ، ۵۴ ، ۵۹ ، ۶۰ ، ۶۳ ، ۶۷ تا ۶۹ ، ۷۳ ، ۱۰۲ ، ۱۰۷ ، ۱۱۹ ، ۱۲۳ ، ۱۲۴ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷ ، ۱۳۱ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ -
عبدالحکیم ، ڈاکٹر ، خلیفہ : ۳۱ -

عبدالرب نشتر : ۳۵ -
عبدالستار صدیقی ، ڈاکٹر : ۱۲۸ -
عبدالسلام خورشید ، ڈاکٹر : ۵۸ -
عبدالقادر ، شیخ ، سر : ۱۱ ، ۸۶ ، ۸۸ ، ۹۱ -
عبداللہ العمادی ، مولانا : ۹۹ -
عترت حسین زبیری : ۳ -
عزیز مرزا : ۲۱ -
عطاء اللہ ، شیخ : ۶ ، ۳۵ ، ۵۵ ، ۵۹ -
علی بخش : ۵۵ ، ۶۸ -
عمادالملک ، نواب : ۱۳۴ -

غ

غالب ، مرزا اسد اللہ خان : ۱۱ ، ۳۹ ، ۹۱ ، ۹۴ ، ۱۰۶ -
غلام السیدین ، خواجہ : ۳۱ -
غلام رسول مہر ، مولانا : ۲۰ -
غیور عالم : ۲۰ ، ۲۶ -

ف

فائز : ۵۸ -
فقیر سراج الدین : ۵۸ -

ق

قائد اعظم محمد علی جناح : ۱۴ ، ۱۵ ، ۳۳ ، ۵۷ ، ۵۹ ، ۶۷ ، ۱۰۵ -

ک

کالیداس : ۱۳۸ -
کشن پرشاد ، مہاراجہ : ۲۷ ، ۱۲۶ -
کیفی دہلوی : ۱۲۲ -

گ

گارساں دتاسی : ۱۶ -
گاندھی جی ، مہاتما : ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۰۸ -

ل

لارڈ منٹو : ۱۶ -
لیاقت علی خاں ، قائد ملت : ۲ ، ۳ -

م

محسن الملک : ۱۹ -
محفوظ علی بدایونی : ۱۹ -
محمد اکبر الدین صدیقی : ۱۹ -
محمد باقر ، ڈاکٹر : ۵۸ -
محمد حسین ، چودھری : (دیکھیے : چودھری محمد حسین) -
محمد شفیع ، سر : (دیکھیے : سر محمد شفیع) -
محمد عبدالرزاق ، مولوی : ۲۸ ، ۹۹ ، ۱۰۱ -
محمد نجم الدین : ۹۹ -

محی الدین قادری زور : (دیکھیے : زور ، محی الدین قادری) ۔
مرزا اسماعیل ، سر : (دیکھیے : سر مرزا اسماعیل) ۔
مسعود جنگ بہادر : ۱۳۵ ۔
مسعود ، سر راس : (دیکھیے : سر راس مسعود) ۔
مشفق خواجہ : ۸ ، ۱۷ ، ۲۰ ۔
مفتی اعظم فلسطین : ۶۱ ۔
ملٹن : ۱۳۸ ۔
ممتاز حسن : ۸ ۔
مہدی یار جنگ : ۱۲۸ ، ۱۳۱ ، ۱۳۳ تا ۱۳۵ ۔
میر تقی میر : ۳۹ ، ۱۲۳ ۔

ن

ناظر : ۳۷ ۔
نانک : ۸۵ ۔
نذیر نیازی ، سید : ۶ ، ۷ ، ۳۳ ، ۳۵ ، ۵۳ ، ۵۵ ، ۶۸ تا ۷۰ ۔
نسیم دہلوی : ۳۸ ۔
نصراللہ خاں سلطانہ : ۵۹ ۔
نطشے : ۶۰ ۔
نظام حیدر آباد : ۱۲۴ ۔
نواب چھتاری : ۱۲۰ ۔
نورالحسن نیّر ، مولوی : ۱۲۲ ۔
نہرو : ۳۲ ۔

و

وائٹ برجنٹ ، ڈاکٹر : ۳۶ ۔
وقار الملک : ۱۹ ، ۱۳۶ ۔
وکٹوریہ ، ملکہ : ۱۰۸ ۔

ہ

ہاشمی فرید آبادی : ۲۳ ، ۲۵ ۔
ہرسکھ رائے ، منشی : ۵۸ ۔
ہیگل : ۱۰۳ ۔

ی

یوسف حسین خاں ، ڈاکٹر : ۲۰ ، ۳۱ ۔

☆ ☆ ☆

مقامات ، ادارے

الف

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس : ۱۷ ، ۲۱ ، ۳۲ ، ۱۲۰ -
اردو کالج کراچی : ۲۳ ، ۲۶ -
اردو کانفرنس علی گڑھ : ۴۳ ، ۶۰ ، ۶۷ ، ۱۱۰ ، ۱۱۹ تا ۱۳۶ -
اسٹریچی ہال (علی گڑھ کالج) : ۱۲۸ -
اقبال اکادمی کراچی : ۵۵ ، ۵۷ ، ۷۰ -
اکھل بھارتیہ ساہتیہ پریشد : ۱۰۹ -
المنار اکادمی : ۶۲ -
الہ آباد : ۵۷ ، ۱۳۹ -
الہ آباد یونیورسٹی : ۱۸ ، ۲۳ ، ۵۲ ، ۶۸ -
انجمن تاریخ اسلام : ۱۳۶ -
انجمن ترقی اردو : ۱ تا ۴ ، ۹ ، ۱۵ ، ۲۰ تا ۲۷ ، ۱۰۹ ، ۱۱۹ ، ۱۲۳ تا ۱۲۵ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۴ -
انجمن حمایت اسلام : ۱۰۸ -
انڈین اورینٹل کانفرنس : ۱۲ -
نگل روڈ : ۴ -
انگلستان (دیکھیے : برطانیہ) -
اورنگ آباد : ۲۰ تا ۲۲ ، ۱۱۹ -
اولڈ بوائز لاج (علی گڑھ) کالج : ۱۲۰ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ -
ایشیا : ۳۰ ، ۹۰ ، ۱۰۸ -

ب

بابائے اردو روڈ : ۲۴ -
برطانیہ : ۲۱ ، ۶۲ ، ۷۸ ، ۸۰ -
بزم اقبال : ۷۰ ، ۱۰۲ ، ۱۰۵ -
بمبئی : ۱۹ ، ۲۳ -
بنارس : ۱۵ -
بنگلستان : ۱۰۶ -
بھارتیہ ساہتیہ پریشد : ۱۳ -
بھوپال : ۴۶ ، ۵۵ ، ۵۹ ، ۶۰ -
بیت المقدس : ۶۳ -

پ

پاک جرمن فورم کراچی : ۵۵ -
پاکستان : ۳ ، ۵ ، ۱۷ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۶ ، ۵۷ ، ۶۳ ، ۱۰۴ تا ۱۰۶ ، ۱۱۰ -

پشتونستان : ۱۰۶ -
پنجاب : ۱۷ ، ۱۸ ، ۲۰ ، ۳۲ ، ۳۷ ، ۳۸ ، ۴۴ ، ۵۰ ، ۵۷ ، ۵۹ ، ۶۷ ، ۹۸ ، ۱۲۴ ، ۱۳۷ -
پنجاب پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس : ۳۲ -
پنجاب پراونشل مسلم لیگ : ۶۲ -
پنجاب یونیورسٹی : ۱۸ -

ت

ترقی اردو بورڈ : ۳ -
توپ بازار حیدر آباد دکن : ۹۹ -

ج

جامعۂ عثمانیہ : ۲۰ ، ۲۶ ، ۱۲۴ ، ۱۳۳ -
جاوید منزل ، لاہور : ۵۳ -
جمعیۃ العلمائے ہند : ۶۱ -
جنیوا : ۶۳ -
جہانگیر پارک کراچی : ۱۶ ، ۳۰ ، ۱۰۲ -

ح

حامد یونین ہال : ۱۲۸ -
حبیب منزل : ۱۳۱ -
حیدر آباد دکن : ۱ تا ۳ ، ۱۹ تا ۲۲ ، ۲۷ ، ۳۶ ، ۵۴ ، ۵۹ ، ۹۹ ، ۱۰۹ ، ۱۲۸ ، ۱۳۳ ، ۱۳۴ ، ۱۳۷ -

خ

خلافت ، تحریک : ۵۹ -

د

دریا گنج : ۲۲ -
دہلی : ۲ ، ۳ ، ۲۱ تا ۲۳ ، ۲۶ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۷ ، ۵۵ ، ۶۰ ، ۶۱ ، ۶۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۴ -
دہلی کالج : ۶۷ -

ڈ

ڈھاکہ : ۱۶ -

ر

رنگون : ۲۱ -
روما : ۷۰ -
ریڈیو پاکستان : ۳۱ ، ۱۰۷ -

س

سائنٹفک سوسائٹی : ۱۲۱ -
سراوہ : ۱۷ -
سرسید ہال (علی گڑھ کالج) : ۱۲۸ -
سری نگر : ۵۸ -
سکندرہ روڈ : ۳ -

سلطان جہاں منزل (علی گڑھ) : ۱۲۰، ۱۲۸ -
سندستان : ۱۰۶ -
سوریا : ۶۳ -
سوئمنگ بوتھ ٹینس لان (علی گڑھ کالج) : ۱۳۶ -
سویز، نہر : ۷۸ -

ش

شام : ۶۳ -
شمالی ہند : ۲۵ -
شملہ : ۶۱ -

ع

عثمانیہ یونیورسٹی : (دیکھیے : جامعۂ عثمانیہ) -
عرب : ۸۱ -
علی گڑھ : ۱۸، ۱۹ تا ۲۱، ۳۱، ۴۶، ۵۰، ۶۰، ۶۸، ۱۱۰، ۱۱۹ تا ۱۲۱ -
علی گڑھ کالج : ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۴، ۱۱۰ -
علی گڑھ یونیورسٹی (دیکھیے : مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) -

ف

فلسطین : ۴۶، ۶۰ تا ۶۳ -
فلسطین کانفرنس : ۴۶، ۶۰، ۶۱ -
فورٹ ولیم کالج : ۱۵ -
فیروز پور : ۱۸ -

ک

کارنیگی انسٹیٹیوٹ : ۵۹ -
کانگرس : ۳۳، ۵۹، ۱۰۸، ۱۰۹ -
کراچی : ۳، ۸، ۹، ۲۲ تا ۲۴، ۱۰۲ -
کشمیر : ۵۷، ۵۸ -
کیمبرج : ۵۶ -
کیمبل پور : ۳۲ -

گ

گجرات : ۱۸ -
گورنمنٹ کالج لاہور : ۲۱ -
گول میز کانفرنس : ۶۱ -
گوئٹے انسٹی ٹیوٹ کراچی : ۳ -

ل

لاہور : ۲، ۲۱، ۲۷، ۳۲، ۴۴، ۴۶ تا ۴۸، ۵۰ تا ۵۳، ۵۵، ۵۸، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۷ -
لکھنؤ : ۱۳ تا ۱۶، ۲۱، ۳۸، ۳۹، ۵۱، ۶۷ -
لندن : ۶۳ -
لیگ آف نیشنز : ۸۱ -

م

ماریشیس : ۱۳۲ -
مجلسِ ترقیِ ادب ، لاہور : ۲۹ -
مدراس : ۲۷ -
مدرسۂ آصفیہ : ۱۹ -
مسعود پبلشرز حیدرآباد دکن : ۵۹ -
مسلم لیگ : ۱۲ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۷ ، ۵۱ ، ۵۷ -
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ : ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۲۸ ، ۱۳۶ -
مؤتمرِ عالمِ اسلامی : ۶۱ -

ن

ناگپور : ۱۳ ، ۱۰۹ -
نشاط باغ کشمیر : ۵۷ -
نیشنل بنک لائبریری : ۶۱ -
نیشنل میوزیم کراچی : ۷ -

و

ولایت (دیکھیے : یورپ) -

ہ

ہاپڑ : ۱۷ ، ۱۸ -
ہارڈنگ روڈ : ۳ -
ہسپانیہ : ۶۲ ، ۱۲۹ -
ہمالیہ پہاڑ : ۷۳ -
ہندوستان : ۱۴ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۴۶ ، ۴۸ ، ۷۳ ، ۷۵ ، ۷۸ ، ۸۱ ، ۸۸ ، ۹۰ ، ۹۵ ، ۱۰۸ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ -

ی

یورپ : ۲۱ ، ۴۹ ، ۷۰ ، ۷۹ ، ۸۷ ، ۱۳۳ ، ۱۳۴ -
یونان : ۷۰ ، ۸۰ -

☆ ☆ ☆

کتب ، رسائل ، اخبارات مضامین ، نظمیں

الف

آبزرور : ۵۸ -
آکسفورڈ ڈکشنری : ۳ ، ۲۵ -
ابدی بھائی : ۱۷ ، ۱۸ -
احسان : ۵۸ -
ادبی دنیا : ۵۸ -
اردو (رسالہ) : ۳ ، ۹ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۲۰ ، ۲۳ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۱ ، ۹۶ ، ۹۹ ، ۱۰۱ ، ۱۳۶ ، ۱۳۹ ، ۱۴۲ -
اردو بحیثیت ذریعہ تعلیمِ سائنس : ۱۱۱ -
اردو زبان : ۳۶ -
اردو زبان پنجاب میں : ۶۵ -
اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ : ۱۱۱ -
اردو صحافت : ۵۸ -
اردو صرف و نحو : ۱۱۱ -
اردو کا بنیادی اسلوب : ۲۵ -
اردو کا محسنِ اعظم : ۲۰ -
اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیہ کرام کا کام : ۱۱۱ -
اردوے مصفّٰی : ۲۵، ۱۱۲، ۱۴۲ -
ارمغانِ حجاز : ۳۰ ، ۶۰ -
اسرارِ خودی : ۲۸ ، ۳۹ -
افسر : ۱۹ -
افکارِ عبدالحق : ۱۱۳ -
اقبال : ۲۸ ، ۹۶ -
اقبال اور آرٹ : ۳۱ -
اقبال اور بھوپال : ۵۵ ، ۶۰ ، ۱۳۱ -
اقبال ترقی پسند ادیب کی حیثیت سے : ۳۱ -
اقبال ، شاعر اور فلسفی : ۵۵ ، ۱۳۱ -
اقبال کا تصورِ خودی : ۳۱ -
اقبال کا مطالعہ : ۵۵ -
اقبال کے حضور : ۳۳ ، ۶۸ ، ۱۳۱ -
اقبال کے خطوط : ۳۱ -
اقبال نامہ : ۶ ، ۳۵ ، ۵۵ ، ۵۹ ، ۶۳ ، ۱۳۱ -
العالم الاسلامی : ۱۱۳ -
انتخاب داغ : ۱۱۱ -
انتخابِ کلامِ میر : ۱۱۱ -
انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف سائنس : ۶۹ -

انجمن ترقی اردو کا المیہ : ۱۱۱ -
انقلاب : ۵۸ ، ۶۱ ، ۱۳۲ -
انوار اقبال : ۶ ، ۲۷ ، ۳۲ ، ۱۳۱ -
ایک آرزو : ۹۳ -

ب

بابائے اُردو اور رسالہ افسر : ۱۹ -
بابائے اُردو اور رسالہ حسن : ۱۹ -
بابائے اُردو کی با مقصد زندگی :
۲۰ -
بادۂ سرجوش : ۳۸ -
باغ و بہار : ۲۵ ، ۱۱۱ -
بالِ جبریل : ۳۰ ، ۶۲ ، ۱۳۸ ،
۱۳۹ -
بانگِ درا : ۱۱ ، ۱۳ ، ۱۵ ، ۲۸ ،
۳۰ ، ۶۵ ، ۷۳ ، ۹۹ -
بچوں کے خطوط : ۱۱۳ -
بیادِ عبدالحق : ۲۱ -

پ

پاکستان میں اُردو کا المیہ : ۲۳ ،
۱۱۱ ، ۱۳۲ -
پرندہ : ۹۳ -
پنجاب میں اُردو : ۳۷ -
پنجابی مسلمان : ۵۹ -
پنجاہ سالہ تاریخِ انجمن : ۲۳ ، ۱۳۱ -
پیامِ مشرق : ۵۷ ، ۶۰ -
پیسہ اخبار : ۵۸ -

ت

تاریخ و سیاست : ۳ -
تبصراتِ عبدالحق : ۱۱۲ -
تذکرۂ ریاض الفصحا : ۱۱۲ -
تذکرۂ ریختہ گویاں : ۱۱۱ -
تذکرۂ عقد ثریا : ۱۱۲ -
تذکرۂ گلِ عجائب : ۱۱۲ -
تذکرۂ مخزنِ شعرا : ۱۱۱ -
تذکرۂ ہندی . ۱۱۲ -
ترانۂ ملّی : ۸۱ -
ترانۂ ہندی : ۶ ، ۷ ، ۸۱ -
تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ :
۷۰ -
تصویرِ درد : ۳۳ ، ۷۵ -
تنقیدِ عبدالحق : ۱۱۲ -
تہذیب الاخلاق : ۱۸ -
تہذیبِ نسواں : ۶۱ ، ۱۳۲ -

ج

جاوید نامہ : ۵۷ -
جگنو : ۹۳ -

چ

چاند : ۹۳ -
چمنستانِ شعرا : ۱۱۱ -
چند ہم‌عصر : ۱۱۱ -

چند یادیں چند تاثرات : ۲۰ -

ح

حرفِ اقبال : ۶۲ ، ۱۳۲ -
حسن : ۱۹ -
حیاتِ عبدالحق : ۲۰ ، ۲۶ -

خ

خضرِ راہ : ۵۷ ، ۹۳ -
خطباتِ عبدالحق : ۲ ، ۹ ، ۱۲ ، ۲۲ ، ۳۴ ، ۱۱۲ ، ۱۳۲ -
خطوطِ عبدالحق : ۱۱۳ -

د

دامِ تہذیب : ۶۲ -
دریائے لطافت : ۱۱۲ -
دی اسٹنڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری : ۱۱۱ -

ذ

ذکر میر : ۱۱۲ -
ذوق و شوق : ۶۲ -

ر

رموزِ بےخودی : ۲۸ -

ز

زمیندار : ۵۸ -

س

ساقی نامہ : ۵۷ -
سب رس : ۱۱۲ -
سبک شناسی : ۵۶ -
سرسید احمد خاں ۔ حالات و افکار : ۱۱۲ -
سرگزشتِ آدم : ۹۳ -
سیّد کی لوحِ تربت : ۴۷ -

ش

شاد اقبال : ۲۷ ، ۱۳۱ -
شاعر : ۳۱ -
شام و فلسطین : ۶۲ -
شمع اور شاعر : ۹۳ -
شمع طور : ۱۰۱ -
شیخ عبدالقادر کے نام : ۹۷ -

ص

صبح کا ستارا : ۹۳ -
صدائے دل : ۴۷ -

ض

ضربِ کلیم : ۳۰ ، ۵۷ ، ۵۹ ، ۶۲ ، ۶۳ -

ط

طلوعِ اسلام : ۹۳ -

ع

عالمگیر : ۵۸ -
علم الاقتصاد : ۳۶ ، ۵۶ ، ۵۷ ،
۱۳۱ -

ف

فکر و نظر : ۲۵ -
فلسطینی عرب سے : ۶۳ -
فلسفۂ عجم : ۶۵ -

ق

قدیم اردو : ۱۱۲ -
قرآن پاک : ۱۰۶ ، ۱۰۹ -
قطب مشتری : ۱۱۲ -
قومی زبان : ۱۰ ، ۱۳ ، ۱۶ ،
۱۷ ، ۱۹ تا ۲۱ ، ۲۳ ، ۲۶ ،
۳۰ ، ۱۰۶ ، ۱۱۰ ، ۱۳۲ -

ک

کانفرنس گزٹ : ۱۱۹ -
کلیاتِ اقبال : ۲۸ ، ۹۹ -
کنارِ راوی : ۶۵ -
کوہِ نور : ۵۸ -
کیفیہ : ۳۷ -

گ

گایتری منتر : ۴۳ -
گلشنِ عشق : ۱۱۲ -
گلشنِ ہند : ۱۱۱ -

ل

لاہور ، ماضی اور حال : ۱۳۱ -
لغتِ کبیر : ۱۱۲ -

م

مثنوی خواب و خیال : ۱۱۲ -
مثنوی کدم راؤ پدم راؤ : ۲۵ -
محمد اقبال : ۳۱ -
مخزن : ۳۶ ، ۳۷ ، ۶۷ -
مخزنِ نکات : ۱۱۱ -
مرحوم دہلی کالج : ۱۱۲ -
مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر : ۱۱۲ -
مسعود مرحوم : ۳۱ -
مسلم آؤٹ لک : ۵۸ -
مضامینِ اقبال : ۳۶ ، ۳۷ ، ۶۵ ،
۱۳۱ -
معراج العاشقین : ۲۳ -
مقدمات عبدالحق : ۱۱۲ -
مقدمہ تاریخ سائنس : ۵۳ -
مکتوبات بابائے اردو : ۱۱۲ -
مکتوبات عبدالحق : ۱۱۲ -
ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر :
۵۶ -
ملک الشعرا بیجاپور ، نصرتی :
۱۱۲ -

ن

نالۂ فراق : ۲۱ -
نطشے اور اقبال : ۳۱ -
نقوش : ۵۸ ، ۱۴۲ -
نکات الشعرا : ۱۱۱ -
نیا شوالہ : ۱۳ ، ۳۴ ، ۷۶ ، ۷۷ ،
۹۶ -
نیرنگِ خیال : ۳۷ ، ۵۸ -

و

والدۂ مرحومہ کی یاد میں : ۶۵ -

ہ

ہسپانیہ : ۱۳۹ -
ہمالہ : ۷۳ -
ہمایوں : ۱۴ ، ۵۸ ، ۶۵ -
ہندی بچوں کا قومی گیت : ۳۴ ،
۷۶ -

ی

یورپ اور سوریا : ۶۳ -

☆ ☆ ☆